عمدہ کمپوزنگ، معیاری پیسٹنگ اور اعلیٰ پرنٹنگ

افضال پرنٹنگ پریس

کھوکھر محلہ، نزد محل حسینی، حیدر آباد، سندھ

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

کوئی نئی بات ضروری کہی جاتی ہے۔ یہ غیر رسمی کلمات گویا معیز کا درجہ رکھتے ہیں جس کی بنا پر رسالے
معیار بتدریج بلند ہوتا نظر آتا ہے۔ پیش نظر تحقیق ۹۰۸ میں سندھ یونی ورسٹی کے ایک فاضل اور کثیر التصا
استاد، مرحوم قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی پر یادگاری گوشہ ترتیب دیا گیا ہے اس سے پہلے بھی رسالہ تحق
سندھ یونی ورسٹی کے ایک اور کثیر التصانیف استاد مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی خدمات جلیل
گوشہ تہنیت شائع کرچکا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں وائس چانسلر صاحب اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ل
ہیں:

"اس نوعیت کے تہنیت ناموں اور یادگار ناموں کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ ان کی شکل میں ہماری جامعہ کی علمی تاریخ مرتب ہورہی ہے۔ یہ کسی جامعہ کے کثیر التصانیف علماء و فضلاء ہی تو ہیں جو اس کی علمی تاریخ بناتے ہیں۔"
(پیش گفتار از ڈاکٹر نذیر احمد مغل وائس چانسلر سندھ یونی ورسٹی)

ہمیں بھی ان خیالات سے کامل اتفاق ہے۔

سندھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر نذیر احمد مغل کے پیش گفتار کے بعد مختصر اداریہ ہے
اس کے بعد گوشہ اختر (بیاد قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی م ۱۹۵۵ء) کا آغاز ہوتا ہے پہلے ورق (آرٹ
پیپر) پر قاضی احمد میاں اختر کی ایک باوقار و یادگار تصویر ہے گوشہ اختر ۲۴۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے بلک
اضافات کے ذیل میں مزید ۹ صفحات (۵۲۶ تا ۵۳۴) پر بھی بے حد مفید مواد موجود ہے۔

اولاً ہم گوشہ اختر اور ثانیاً مقالات و مخطوطات و دیگر بیش قیمت مواد کی سیر دیکھیں گے۔

اس گوشے کے مضمون نگاروں میں مخدوم گرامی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب، ڈاکٹر نبی بخش
بلوچ، ممتاز حسن، سید حسام الدین راشدی، سید الطاف علی بریلوی، بابائے اردو مولوی عبدالحق اور عبدالرزاق
قریشی (بمبئی) جیسے نامور فضلاء شامل ہیں ان مضامین سے قاضی احمد میاں اختر کی حیات و خدمات پر خوب
روشنی پڑتی ہے۔

ذیل میں اس تعزیتی تقریر سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جو بابائے اردو نے انجمن ترقی اردو
پاکستان کے زیر اہتمام منعقدہ تعزیتی جلسے کے موقعے پر نہایت دل سوزی کے ساتھ کی تھی۔ اور جس سے پتا چلتا
ہے کہ خود بابائے اردو کی نظر میں مرحوم اختر جوناگڑھی کا کیا مقام تھا:

"آج ہم ایک ایسے عزیز کے سوگ میں جمع ہوئے ہیں جس کی وفات نہ صرف اس کے عزیز واقربا اور احباب کے لیے ایک الم ناک سانحہ ہے بلکہ ایک قومی حادثہ ہے۔ ایسا صاحب فضل و کمال، محقق، اسلامی تاریخ کا ایسا ماہر، ایسا صاحب نظر اب

Marfat.com

ہم میں کوئی نظر نہیں آتا۔ اس نے سیکڑوں ادبی و علمی مقالے اور مضامین لکھے جن
سے اس کی عالمانہ تحقیق اور وسعت معلومات کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ سراسر علمی
شخص تھے یہی ان کا شغل اور یہی ان کا مقصد حیات تھا وہ علم کے شیدائی، علم
دوست اور اہل علم کے قدر داں تھے اکثر لوگ علمی امور میں ان سے مشورہ لینے
آتے تھے اور وہ نہایت فراخ دلی سے ان کی مدد کرتے تھے علم و فضل و تبحر کے
ساتھ وہ قدیم تہذیب اور آداب کا اعلا نمونہ تھے۔

(تعزیتی تقریر از بابائے اردو، ص ۲۰۰۔)

اس گوشے کا ایک اہم حصہ مکتوبات پر مشتمل ہے چوں کہ اس کے ذریعے مکتوب نگار کی ذہنی و
یفیات، میلانات و رجحانات اور عادات و خصائل کا پتہ چلتا ہے لہٰذا اس کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اس
میں ڈاکٹر مختار الدین احمد (پروفیسر ایمریطس برائے عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) اور سید الطاف علی
ں کے مرتبہ خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں حضرات کے مرتبہ خطوط کی تفصیلات علاحدہ علاحدہ پیش کی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر
الدین احمد کے مرتبہ خطوط میں سب سے زیادہ تعداد مکاتیب اختر بنام مالک رام کی ہے جو کہ سولہ ہے
ر مختار الدین احمد کے نام تین اور علامہ عبدالعزیز میمن کے نام دو خط ہیں صدر یار جنگ مولانا حبیب
حمان خاں شروانی، محمد عبداللہ خویشگی اور محمد اسمٰعیل پانی پتی کے نام ایک ایک خط شامل ہیں ڈاکٹر صاحب
نے ان پر اپنے قیمتی حواشی بھی لکھے ہیں۔

سید الطاف علی بریلوی کے مرتبہ خطوط کی تعداد ۲۸ ہے یہ تمام مکتوبات مرتب کے نام ہیں اور
کتوب الیہ کی کتاب "مراحل اور راہ نما" (۱۹۶۴) میں من و عن شامل ہیں ان پر مکتوب الیہ کے قیمتی حواشی اور
تعریکات نے انھیں مزید مفید بنادیا ہے۔

اب اس گوشے کا وہ حصہ آتا ہے جس میں مدیر تحقیق نے کتاب خانہ مشفق خواجہ سے حاصل
کردہ مواد کو نہایت سلیقے سے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ صاحب کا

طالبان تحقیق کے لیے خواجہ صاحب کا دم غنیمت ہے
کمال یہ ہے کہ ہزاروں کتابوں، مکتوبات و نوادرات کو ایسے سلیقے سے رکھا ہوا ہے کہ جس کی نظیر ہمارے اکثر
بڑے کتاب خانے بھی پیش نہیں کرسکتے جن کے انتظام و انصرام پر بیسیوں ملازمین رکھے جاتے ہیں اور

Marfat.com

لاکھوں روپیا صرف کیا جاتا ہے مگر پھر بھی نتیجہ خاطر خواہ نہیں خیر آمدم بر سر مطلب: ذیل میں خواجہ صاحب کے فراہم کردہ چیزوں کا تعارف بالترتیب پیش کیا جاتا ہے۔

● **مکتوبات اختر، اعزہ و اقربا کے نام**:۔ قاضی احمد میاں اختر کے چھے خطوط جو بچوں اور دیگر اعزہ و اقربا کے نام لکھے گئے۔

● **مکتوبات مشاہیر بنام اختر**:۔ اس میں سب سے زیادہ خطوط بابائے اردو مولوی عبدالحق کے ہیں جن کی تعداد ۱۵ ہے قاضی احمد میاں اختر انجمن ترقی اردو پاکستان میں بابائے اردو کے سیکریٹری تھے ان کی محنت اور خدمات کا ذکر کرتے ہوئے بابائے اردو نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا ہے۔

> "میری درخواست پر انھوں نے (قاضی احمد اختر) نے میرے ساتھ انجمن میں کام کرنا شروع کیا۔ انجمن کی مالی حالت اس وقت سقیم تھی۔ اور اب بھی کچھ اچھی نہیں۔ اس لیے انجمن انکی شایان شان خدمت نہ کرسکی انھوں نے بڑی محنت، دیانت اور خلوص سے انجمن کی خدمت انجام دی جب تک وہ انجمن میں رہے، میں بڑی بے فکری سے مشرقی پاکستان وغیرہ دوروں پر نکل جاتا تھا اور بعض اوقات دو دو مہینے غیر حاضر رہتا تھا کیونکہ مجھے کامل اطمینان تھا کہ انجمن کے کام میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ان کے جانے کے بعد میں چند روز کے لیے بھی کراچی سے باہر نہیں جاسکتا۔ جب انھوں نے اپنا استعفا پیش کیا تو میں نے اس پر یہ لکھا بدرجہ مجبوری نہایت افسوس اور رنج کے ساتھ میں آپ کا استعفا منظور کرتا ہوں آپ کے رہنے سے مجھے اطمینان تھا۔ محنت اور جستجو سے سب کچھ مل سکتا ہے مگر انسان نہیں ملتا۔"
>
> (تحریر تقریر از بابائے اردو، ص ۲۴۰-۲۴۱)

بابائے اردو کے مکتوبات کے بعد پیر حسام الدین شاہ راشدی کے چھے خطوط، مالک رام اور ڈاکٹر سید عبداللہ کے تین تین مکتوب، ڈاکٹر مختار الدین احمد، ڈاکٹر گیان چند، خوشتر منگرولی مدیر - زبان - ڈاکٹر معین الحق اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے دو، دو مکتوب جبکہ نواب صدر یار جنگ حبیب اللہ خاں شروانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ظہیر الدین مدنی، محمد امین زبیری، عشرت رحمانی (مع تحریر امتیاز علی عرشی) ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، چراغ حسن حسرت، سید ابوالخیر کشفی اور عبدالمجید حیرت شملوی کا ایک ایک مکتوب شامل ہے۔

Marfat.com

اس فہرست میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا اسم گرامی بھی درج ہے مگر اتفاق سے یہ خط شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ شمارے میں اس کمی کو پورا کرتے ہوئے یہ خط بھی شامل اشاعت کر دیا جائے گا۔

● **تزک اختری، ایک ناتمام تصنیف کے اجزاء:۔** یہ قاضی احمد میاں اختر کی ایک ناتمام تصنیف کا ذکر ہے جو وہ لکھنا چاہتے تھے اس کے ذیل میں ان اہل علم حضرات کی فہرست ملتی ہے جن سے موصوف کے تعلقات علمی قائم ہوئے تھے، چنانچہ ذکر تذکرہ ادب، علماء، مشاہیر، بزرگان قوم، علم دوست، اصحاب خاص، شعراء، ادیب، مصنف اور محققین کے عنوانات کے تحت فہرست سازی کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ فہرست قابل رشک شخصیات کی حامل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی احمد میاں اختر کے تعلقات علمی کیسے کیسے مشاہیر و نابغہ عصر لوگوں سے قائم تھے۔

● **تصانیف و تراجم اختر:۔** اس ذیل میں قاضی احمد میاں اختر کی ۱۳ تصنیفات و تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے نیز ان پر نکلنے والے تبصروں اور تعارف کو بھی جگہ دی گئی ہے۔

● **یادداشتہای اختر:۔** قاضی احمد میاں اختر کی دو بیاضات سے مدیر تحقیق نے افادہ عامہ کی غرض سے جو قیمتی معلومات پیش کی ہیں وہ بھی بلاشبہ قابل داد ہیں۔ اس بیاض کے منتخبات اور فہرست مضامین سے صاحب بیاض کے کثیر المطالعہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے یہ تمام چیزیں عمدہ طریقے سے پیش کی گئی ہیں۔

● **معاصر رسائل کے ساتھ قلمی تعاون:۔** اس ذیل میں مدیر تحقیق نے قاضی احمد میاں اختر کے معاصر رسائل کے ساتھ قلمی تعاون کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ خدا بخش لائبریری، جرنل پٹنہ کا مشترکہ شمارہ ۹۳، ۹۴، ۹۵ اور مشترکہ شمارہ ۳۱، ۳۲، ۳۳ جو کہ ماہنامہ العصر لکھنؤ (۱۹۱۳ء - ۱۹۱۰ء) اور ماہنامہ زبان منگرول (کاٹھیاواڑ - ۱۹۲۶ء - ۱۹۲۸ء) کے انتخاب پر مشتمل ہے چنانچہ یہاں اس انتخاب سے چند اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جس سے ان کی علمی اور ادبی شہرت کا ثبوت ملتا ہے نیز یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اردو کا پہلا سونیٹ قاضی احمد میاں اختر نے لکھا تھا جو کہ اگست ۱۹۱۳ء میں ماہنامہ "زبان" منگرول میں "محمد عمر کھتری عباسی بی اے جوناگڑھی مقیم لندن" کے ایک مضمون "سونیٹ" میں شامل ہو کر چھپا تھا۔ رسالہ تحقیق کے شمارہ ہذا کے صفحہ ۲۲۴ پر اس مضمون کا عکس بھی شائع کیا گیا ہے جو بقول مدیر تحقیق:

Marfat.com

"نہ صرف یہ کہ قاضی احمد میاں اختر کی ایک فضیلت تقدم کو بخوبی ثابت کرتا ہے بلکہ جدید اردو شاعری کی تاریخ کے ایک اہم گوشے کو سامنے لاتا ہے۔"

(تحقیق ۸-۹ ص ۲۲۴)

● **باقیات اختر** :۔ باقیات اختر کے ذیل میں قاضی احمد میاں اختر کی چھوڑی ہوئی ان کی اپنی مطبوعات، مطبوعہ مضامین کے تراشے، مکتوبات اور متفرق کاغذات کی تفصیلات ملتی ہیں۔

● **دور آخر کا ایک غیر مطبوعہ مضمون "خواجہ بزرگ"** :۔ جیساکہ عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کے دور آخر کا مضمون ہے جو سندھ یونی ورسٹی کی ملازمت کے دوران لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں حضرت خواجہ اجمیر، غریب نواز، خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ذات با برکات پر آپ کی خدمات جلیلہ کے حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مضمون کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"ہندو پاکستان کے طول و عرض میں ان بزرگان دین کی حکومت اب بھی جاری ہے اور کروڑوں دلوں پر ان کا سکہ رواں ہے جبکہ ان بادشاہوں کے سکے صرف آثار قدیمہ کی اہمیت رکھتے ہیں۔"

(خواجہ بزرگ : ص ۲۳۰)

گوشہ اختر کے آخر میں قاضی احمد میاں کا ایک خط بزبان انگریزی، سپاس نامہ کارکنان انجمن (ترقی اردو پاکستان کراچی) تعزیتی مضمون از سید الطاف علی بریلوی، تعزیتی تقریر از بابائے اردو، تعزیتی مضمون از عبدالرزاق قریشی (بمبئی) قطعات تاریخ وفات اختر از نامعلوم اور کانفرنس پیپر "سعدی کا سفر سومنات" از احمد میاں اختر (انگریزی) شامل ہیں جن سے قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کی شخصیت اور خدمات پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی کے ساتھ گوشہ اختر مکمل ہوتا ہے۔

مقالات :۔ حسب روایت، مقالات کا حصہ نہایت وقیع ہے ذیل میں بالترتیب ان کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

● **پہلا مقالہ** :۔ "تکملہ مقالات الشعراء" از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب (پروفیسر ایمریطس، برائے اردو، سندھ یونی ورسٹی)

یہ مختصر مقالہ ہے جس میں قبلہ ڈاکٹر صاحب نے فاضل گرامی پیر حسام الدین شاہ راشدی کی مرتبہ کتاب: تکملہ مقالات الشعراء: (مطبوعہ ۱۹۵۸ء، کراچی) پر چند معروضات پیش کیے تھے جو بوجوہ نہیں چھپے تھے مگر مدیر تحقیق کی کاوشوں سے اب منظر عام پر آئے ہیں۔

● **دوسرا مقالہ** :۔ دوسرا نہایت عمدہ مقالہ فاضل گرامی ڈاکٹر نذیر احمد (پروفیسر ایمریطس، برائے فارسی

Marfat.com

علی گڑھ یونی ورسٹی) کا بعنوان: سید ابو العلاء اکبر آبادی، ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے ۲۰ نہایت قیمتی حواشی اور ۲۱ مکتوبات ابو العلاء کے ساتھ یہ مقالہ پیش کیا ہے جس کے ذریعے ان کے حالات زندگی اور خدمات و تعلیمات پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے مقالے کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"سید ابو العلاء اکبر آبادی گیارھویں صدی ہجری کے بڑے عارف ہوئے ہیں ان کا مسکن آگرہ تھا جہاں ان کی درگاہ آج بھی مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔ سید ابو العلاء، میر ابو العلاء اور امیر ابو العلاء کے نام سے جانے جاتے ہیں ان سے ایک سلسلہ جو ابوالعلائی کہلاتا ہے، شروع ہوا۔" (ص ۲۵۵)

فاضل مقالہ نگار حضرت ابو العلاء کی فیض رسانی کا ذکر کرتے ہوئے "انفاس العارفین" از شاہ ولی اللہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ:

شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم، ابوالعلاء کے خاندان کے متوسلین میں تھے۔ (ص۲۵۹)

سید ابو العلاء کی عالمانہ، فلسفیانہ اور عارفانہ حیثیتوں پر وہ ۲۱ مکتوبات شاہد ہیں جنھیں فاضل نگار نے اپنے اردو ترجمے کے ساتھ اس مقالے کے آخر میں شامل کیا ہے۔ ان مکتوبات میں دنیا سے صحیح تصوف، فقر و درویشی کے رموز، حضرت امیر خسرو اور حکیم سنائی کے بعض اشعار کے مطالب اور سلسلہ نقشبندیہ کے گیارہ اسباق کے علاوہ ویدانت کے چار اصولوں کی تشریح نہایت عالمانہ انداز میں کی گئی ہے اس کے بارے میں فاضل مقالہ نگار انیسویں مکتوب کے حاشیے پر رقم طراز ہیں:

"قابل ذکر بات یہ ہے کہ امیر ابوالعلاء نے ویدانت کے ان درجوں (۱۔ جاگرت ۲۔ سپن ۳۔ سشپتیہ ۴۔ تریا) کی شرح چار طرح سے کی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ انھوں نے ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس کو اسلامی تصوف کے پیمانے سے ناپنے کی اچھی کوشش کی تھی۔" (ص۲۸۳ کا حاشیہ نمبر۵۲)

● **تیسرا اہم اور دلچسپ مقالہ**:۔ اردو کی اولین نسوانی خود نوشت، از ڈاکٹر معین الدین عقیل (وزیٹنگ پروفیسر، ٹوکیو یونی ورسٹی آف فارن اسٹڈیز) ذیل میں مقالہ نگار کی پیش کردہ معلومات کی روشنی میں اس مقالے کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

یہ مقالہ اردو میں تخلیقی خود نوشت سوانح عمری کے آغاز کی بحث سے شروع ہوتا ہے جس کے مطابق اردو کی اولین خود نوشت سوانح عمریاں عبدالغفور نساخ اور جعفر تھانیسری کی قرار دی گئی ہیں۔ جو ۱۸۸۹ء میں لکھی گئیں جبکہ "بیتی کہانی" کو جسے شہر بانو بیگم نے ۱۸۸۵ء میں تصنیف کیا، دونوں صاحبان سے تقدم زمانی

Marfat.com

حاصل ہے۔ لہٰذا اسے اردو کی اولین نسوانی خود نوشت سوانح عمری کہا جانا چاہیے۔

اس کے بعد مصنفہ کے حالات زندگی، خاندانی پس منظر اور بیتی کہانی لکھنے کے محرکات پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے مطابق مصنفہ شہر بانو بیگم کا تعلق ریاست پاٹودی کے حکمراں خاندان سے تھا اور وہ رئیس ریاست نواب اکبر علی خاں (۱۸۱۳ء - ۱۸۶۲ء) کی دختر تھیں، اور رئیس جھجر نواب عبدالرحمن خان کے فرزند محمد نور علی خاں سے بیاہی گئی تھیں۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین کی مدد اور بغاوت کے جرم میں رئیس جھجر نواب عبدالرحمن خاں پھانسی پاگئے تھے اور اس طرح ریاست کے خاتمے کے بعد شہر بانو بیگم در بدر ہوگئیں ان کے شوہر نے ایک نااہل، ناکارہ اور بگڑے نواب کے کردار کی مثال پیش کی، بالآخر ۱۸۷۱ء میں اس کا بھی انتقال ہوگیا اس کے بعد مصنفہ دہلی منتقل ہوگئیں یہاں ان کی ملاقات ایک خاتون ڈاکٹر مس تھورن کے توسط سے مس فیچ سے ہوئی۔ جس کی فرمائش پر مصنفہ نے : بیتی کہانی : تصنیف کی۔

مصنفہ نے اپنی اس خود نوشت میں اپنی پیدائش (۱۸۳۸ء) سے لے کر اس تصنیف پر نظرثانی (جنوری ۱۸۸۵ء) تک تقریباً چالیس سالوں کا احاطہ کیا ہے۔ اس خود نوشت کی تصنیف کے بعد مصنفہ کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ مصنفہ کی تعلیمی لیاقت واجبی ہونے کے باوجود زبان نہایت شگفتہ، سلیس و رواں ہے، ضرب الامثال اور محاوروں کے بے تکلفانہ استعمال سے اس میں حد درجہ دلکشی و جاذبیت پیدا ہوگئی ہے۔

بیتی کہانی کی بازیافت کے بارے میں ڈاکٹر معین الدین عقیل رقم طراز ہیں :

"اس خود نوشت کا ایک نسخہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم (۱۹۲۶ء - ۱۹۸۳ء) کو ان کے انتقال کے کچھ قبل دستیاب ہوا تھا۔ راقم نے مرحوم کے فرزند سعید حسن قادری سے اس نسخے کا عکس حاصل کرکے اسے ضروری تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا ہے۔"

(ص ۲۹۸ کا حاشیہ نمبر ۵)

فاضل مقالہ نگار نے ۴۱ قیمتی حواشی کے علاوہ مصنفہ کے خاندان کا شجرہ نسب بھی مرتب کرکے مقالے کے آخر میں پیش کیا ہے۔ اس مقالے میں "بیتی کہانی" کی زبان و بیان پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۱۰: چوتھا تنقیدی مقالہ ڈاکٹر عطا خورشید (اسسٹنٹ لائبریرین، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) کا ہے جس کا موضوع ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) کا شائع کردہ مجموعہ مقالات : اردو میں فنی تدوین (مطبوعہ ۱۹۹۱ء) کا تعارف و تجزیہ ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے اس کے انیس مقالات کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے جس میں ان مقالات کی تحسین کے ساتھ ساتھ ان میں پائی جانے والی زیادہ تر پروف کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے چنانچہ اس

Marfat.com

ذیل میں ۲۶۷ غلطیوں پر مشتمل اغلاط نامہ بھی مقالے کے آخر میں پیش کیا گیا ہے بلاشبہ یہ مقالہ بڑی محنت سے لکھا گیا ہے۔

● **پانچواں مختصر مقالہ:۔** حافظ منیر احمد خاں کے مقالے کا موضوع میر رستم خان تالپر کی ایک اہم دستاویز ہے حافظ صاحب شعبہ ثقافت اسلامی، سندھ یونی ورسٹی کے نوجوان ریسرچ اسکالر ہیں انھیں یہ تاریخی دستاویز سچل لائبریری، خیرپور، میں موجود قرآن مجید کے ایک قلمی نسخے کے آخر میں درج ملی۔ اس دستاویز کا عکس بھی مقالے کے آخر میں دیا گیا ہے اس دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۵۳ھ میں میر رستم خان تالپر حکمران ہوئے تھے اور اسی سال انھوں نے اپنے ملک کی سرزمین میر علی مراد خان تالپر کے حوالے کردی تھی، مگر ان کا ذکر "تحفۃ مقالات الشعراء" از پیر حسام الدین راشدی (مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۸ء) میں کہیں نہیں ہے۔

● **آخری مقالہ:۔** "دیوان تمکین کس تمکین کا ہے؟" : اس کے فاضل مقالہ نگار ہیں ڈاکٹر صاحب (پروفیسر اور مدیر تحقیق، شعبہ اردو، سندھ یونی ورسٹی)۔ یہ مقالہ داخلی شہادت کلام کی بنا پر نسبت کی تحقیق کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے۔ ذیل میں اس کا تعارف اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

اس مقالے کا محرک : دیوان غمگین، ہے جو مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور سے ۱۹۷۰ء میں بصورت عکس چھپا ہے اور جسے جناب محسن برلاس نے مولوی عبدالقادر رام پوری متخلص بہ غمگین کے دیوان کی حیثیت سے اپنے بزرگوں کی نشانی سمجھ کر چھپوایا ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں :

> مولانا عرشی پہلے عالم ہیں جنھوں نے دیوان کے اس قلمی نسخے کو دیکھا اور مولوی مرزا عبدالقادر رامپوری متخلص بہ غمگین (صاحب وقائع عبدالقادر خانی) کے دیوان کی حیثیت سے شناخت کیا، اور جب محسن برلاس اپنے سفر رامپور (۱۹۰۵ء) کے دوران مولانا عرشی سے ملے تو نہ صرف یہ خبر دی کہ ان کے پر دادا کے بزرگ عبدالقادر غمگین کا دیوان رامپور میں ایک صاحب کے پاس ہے جن۔ یہ ترغیب بھی دی کہ اس دیوان کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کو طبع کرانے کا اقدام کریں تاکہ ادبی دنیا ایک قابل قدر اور اہم مجموعہ کلام سے روشناس ہوسکے۔

(تحقیق ۹-۸ ص ۳۲۱)

Marfat.com

مندرجہ بالا اقتباس سے اس دیوان کی دریافت پر روشنی پڑتی ہے۔ اب اس مقالے میں دیوان کے اصل مصنف کی تلاش میں کی گئی بحث کے اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

- دیوان کا عکسی متن پورے ۵۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے آغاز و اختتام پر کوئی عبارت ایسی نہیں ملتی جو بہ صراحت بتائے کہ یہ کس غمگین کا کلام ہے۔
- شعرائے اردو کے پندرہ سولہ تذکروں میں غمگین تخلص کے تین مختلف، قابلِ ذکر و قابلِ توجہ شعراء کا ذکر آتا ہے جن میں سے کوئی ایک، دیوان غمگین کا مصنف ہوسکتا ہے وہ یہ ہیں:
  ۱. میر سید علی غمگین دہلوی شاگرد سعادت یار خاں رنگین
  ۲. مولوی مرزا عبدالقادر خاں رامپوری متخلص بہ غمگین
  ۳. میر عبداللہ غمگین دہلوی خلف اصغر میر حسین تسکین دہلوی
- دیوان کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نہایت قادر الکلام اور کثیر الکلام ہے
- خمریات سے خاص شغف رکھتا ہے۔
- تصوف کے دقیق نکات نظم کرتا ہے جس سے اس کا صاحب حال ہونا ظاہر ہوتا ہے۔
- متعدد غزلیں غالب کی معروف زمینوں میں ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب سے شاعر کو کسی نوع کا تعلق ضرور ہے جبکہ یادگار غالب کے حوالے سے ہم جانتے ہیں کہ مولوی عبدالقادر رامپوری کا تعلق غالب کے ساتھ احترام اور دوستی کا نہیں استہزاء کا تھا۔
- مولوی عبدالقادر رامپوری اہل تصوف کو ایک شک کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان کی کتب و کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک عقلیت پسند عالم ہیں۔
- میر عبداللہ غمگین نے بہت کم عمر پائی اور صرف ۲۲ سال کی عمر میں ایک ضخیم دیوان کی تسوید و ترتیب محال ہے۔
- دیوان میں شاعر نے اپنے عہد پیری کا حوالہ بکثرت دیا ہے۔
- صاحب دیوان کے نسب کے بارے میں داخلی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ وہ نجیب الطرفین سید ہیں۔
- مولوی عبدالقادر رامپوری نسباً امیر تیمور گورگان کی نسل، قوم برلاس سے ہیں۔
- الغرض کہ متذکرہ بالا تینوں غمگین کے رنگ سخن معاصر تذکروں، ان کی تصنیف و تالیفات نیز نسب وطن اور مزاج کی روشنی میں داخلی شہادتوں کے مابین تطبیق کرتے ہوئے جو نتیجہ سامنے آیا ہے اس کے مطابق:
- یہ دیوان مولوی مرزا عبدالقادر غمگین رامپوری کا نہیں ہے بلکہ میر سید علی غمگین کا دیوان دوم ہے جو

Marfat.com

گوالیار میں اتمام کو پہنچا ہے۔

○ میر سید علی غمگین کے اس دیوان دوم کا سنہ اتمام ۱۲۵۰ھ ہے۔

مقالے کے آخری حصے میں فاضل مقالہ نگار نے ان امور سے بحث کی ہے کہ جن کی بناء پر مولانا عرشی رام پوری اور جناب محسن برلاس کو تسامحات کا سامنا کرنا پڑا۔

گوشہ متون :۔ اس گوشے میں مندرجہ ذیل تین متن پیش کیے گئے ہیں :

۱۔ فنای ثلاثہ مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد

۲۔ الفقرالمحمدی کا نسخہ جام شورو مع ترجمہ مرتبہ و مترجمہ ڈاکٹر ابو الفتح صغیر الدین

۳۔ بیتی کہانی مرتبہ ڈاکٹر معین الدین عقیل

ذیل میں ان تینوں متون کا تعارف اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے :

۱۔ **فنای ثلاثہ :۔** فاضل گرامی ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے ۵۸ حواشی اور دو نسخوں کے مقتبس سے جد ... کا تنقیدی متن پیش کیا ہے ایک نسخہ مکتوبہ ۱۲۹۲ھ اور دوسرا مکتوبہ ۱۲۸۶ھ ہے یہ سید ابوالعلاء کا تصوف کے موضوع پر ایک اہم رسالہ ہے جس میں مندرجہ ذیل تین عنوانات کے تحت بحث کی گئی ہے۔

اول : فنائی الافعال

دوم : فنائی الصفات

سوم : فنائی الذات

۲۔ **الفقرالمحمدی کا نسخہ جام شورو مع ترجمہ :۔** اس رسالے کے مصنف شیخ احمد بن ابراہیم واسطی (م ۷۱۱ھ) ہیں تحقیق کے گزشتہ شمارے میں ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین (سابق صدر شعبہ ثقافت اسلامی سندھ یونی ورسٹی) اس رسالے کا مفصل تعارف پیش کرچکے ہیں جبکہ شمارہ ہذا میں اس کا مکمل عربی متن اردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ فاضل مترجم نے اس پر ۶۵ مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔ ترجمہ ... دوران مطالعہ معلوم نہیں ہوتا کہ ترجمہ پڑھا جارہا ہے بلکہ مستقل تصنیف یعنی طبع زاد کا ... ڈاکٹر صاحب کی یہ محنت لائق تحسین ہے۔

یہ رسالہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر سالکین کے لیے ... کا درجہ رکھتا ہے ذیل میں ... ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے ترجمے کی خوبی بھی سامنے آجاتی ہے:

- واضح ہو کہ جس شخص کا جو حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ نماز میں ظاہر ہوتا ہے چنانچہ جس شخص پر خوف کا حال ہو تو وہ نماز میں ظاہر ہوتا ہے ... محبت یا قرب یا اتصال اور شہود یا حضور کا حال ہوتا ہے تو وہ نماز میں ظاہر ہوتا ہے ... نماز ایک رابطہ اور تعلق ہے اور جس پر نماز میں ...

Marfat.com

اس کا کوئی حال نہیں ہے۔ (الفقر المحمدی، اردو ترجمہ، ص ۲۹۶)

۳۔ بیتی کہانی :۔ گوشہ متون کا یہ آخری متن ہے جسے فاضل گرامی ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مقدمہ کا تعارف مقالات کے ذیل میں پیش کیا جاچکا ہے یہاں "بیتی کہانی" کے متن پر ایک نظر ڈالتے چلتے ہیں :

فاضل مرتب کی تحقیق کے مطابق یہ اردو کی اولین نسوانی خود نوشت ہے جسے شہر بانو بیگم دختر نواب اکبر علی خاں رئیس پاٹودی نے تصنیف کیا ہے اپنے مقدمے میں فاضل مرتب رقم طراز ہیں :

" پیش نظر متن کی ترتیب اصل نسخے کے مطابق ہے۔ تمام عنوانات کا اہتمام خود مصنفہ نے کیا ہے محض ابواب کی تقسیم اس راقم نے کی ہے۔" (ص ۲۹۰)

اس متن کو ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت اور سلیقے سے مرتب کیا ہے اور اس پر درج کیے گئے قیمتی تعلیقات کی تعداد ۱۱۹ تک پہنچ جاتی ہے نیز تعلیقات کے آخر میں ۹۰ اسناد محولہ کی فہرست بھی پیش کی گئی ہے جس سے اس تصنیف کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے اس خود نوشت سے جہاں زبان و بیان کا لطف حاصل ہوتا ہے وہیں یہ اپنے زمانے کی بعض نادر اور تاریخی معلومات کی بھی حامل ہے۔ "بیتی کہانی" کا آغاز یوں ہوتا ہے :

" بوا مس فیسچر، (جن کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی گئی) میری کہانی پڑھ کر تم کیا نفع پاؤ گی، رنج و غم کھاؤ گی، اپنا جی دکھاؤ گی اور کچھ حظ نہ اٹھاؤ گی اور اگر ضد ہی کرتی ہو تو الیو (اے لو) میں اپنی سرگزشت ابتدا سے انتہا تک لکھے دیتی ہوں۔ ذرا خیال سے پڑھنا، گھبرا نہ جانا۔" (بیتی کہانی، ص ۳۲۱)

الغرض یہ تصنیف اپنی کئی خوبیوں کی بنا پر سوانحی ادب میں ایک اہم اضافہ قرار پاتی ہے فاضل مرتب ڈاکٹر معین الدین عقیل کی محنت اور رسالہ تحقیق کی عمدہ پیش کش بجا طور پر مبارکباد کی مستحق ہے۔

اس کے بعد مخطوطات کا تعارف آتا ہے جس میں مدیر تحقیق نے ایک قلمی مجموعے کا تعارف پیش کیا ہے جس میں مخبر الواصلین (۱۲۰۰ھ) از محمد فاضل ترمذی اکبر آبادی کے علاوہ دیگر ۸ رسائل طب شامل ہیں۔ فاضل گرامی ڈاکٹر نجم الاسلام نے ان تمام رسائل کا تعارف پیش کیا ہے۔

مخبر الواصلین کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے یہ نسخہ سندھ میں ۱۲۶۲ھ میں کتابت کیا گیا۔ یہ منظوم فارسی رسالہ ۶۹ اوراق پر مشتمل ہے نیز ... ۲۰۰ واصلین کی تاریخ وصال نظم کی گئی ہے اس رسالے کے بارے میں فاضل گرامی ڈاکٹر نذیر احمد اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں کہ :

" مخبر الواصلین کے مطبوعہ نسخے کا میں نے مطالعہ کیا تھا، بلکہ اس پر ایک مفصل مقالہ مجلہ علوم اسلامیہ کے کسی شمارے میں شائع کرچکا ہوں۔"

Marfat.com

(مکتوب ڈاکٹر نذیر احمد بنام ڈاکٹر نجم الاسلام مطبوعہ و مشمولہ رسالہ تحقیق ۸-۹، ص ۵۰۸)

جبکہ فاضل مدیر تحقیق اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مختصر یہ کہ مخبر الواصلین اپنے اندر معلومات کا ایک خزانہ لیے ہوئے ہے۔ اس کو طبع ہونا چاہیے اور تنقیدی متن تیار کرنے کیلئے سندھ کے اس مخطوطے سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ (تحقیق ۸-۹، ص ۴۰۵)"

اضافات:۔ اس کے بعد اضافات کے ذیل میں فاضل گرامی ڈاکٹر معین الدین عقیل کے مندرجہ ذیل دو اضافی نوٹ ہیں۔

۱۔ تعلیقات مصباح الہدایت (مشمولہ۔ تحقیق، شمارہ ہفتم) پر چند اضافے، اور

۲۔ تقریظ مصباح الہدایت مشمولہ: تحقیق: شمارہ ہفتم کے ذیل میں ایک قابل توجہ قدیم مطبوعہ تقریظ

اس کے علاوہ جام شورو کے ایک مخطوطے سے متعلق اضافی معلومات از غلام محمد لاکھو، مکتوبات اختر کے ذیل میں اضافی معلومات از ڈاکٹر مختار الدین احمد، دو مکتوبات اختر بنام حیرت شملوی مرسلہ سید انیس شاہ جیلانی اور قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کی یاد میں ڈاکٹر الیاس عشقی کا مضمون، ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے حواشی کے ساتھ موجود ہے۔

مکتوبات:۔ مکتوبات کے ذیل میں مخدوم گرامی حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی کا ایک خط ڈاکٹر غلام مصطفی خاں کے نام اور ڈاکٹر صاحب کا ایک خط ڈاکٹر نذیر احمد کے نام ہے۔ جبکہ تین مکتوبات ڈاکٹر مختار الدین احمد بنام ڈاکٹر غلام مصطفی خاں اور ڈاکٹر نذیر احمد بنام ڈاکٹر نجم الاسلام ہیں۔

یہ تمام مکتوبات اپنے اندر قیمتی معلومات لیے ہوئے ہیں اسی لیے انھیں افادۂ عام کے پیش نظر شائع کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد کے خطوط بڑے دلچسپ اور پر از معلومات ہوتے ہیں تحقیق کے شمارہ سابق میں بھی ان کے خطوط شائع ہو چکے ہیں کیا ہی اچھا ہو جو ان کے خطوط کا مجموعہ شائع ہو جائے بلکہ مدیر تحقیق ہی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر مختار الدین احمد کے خطوط کو مجموعے کی صورت میں لائیں گے جن سے طالبان تحقیق یقیناً مستفید ہوں گے کیونکہ ان کے خطوط سے کئی علمی گتھیاں سلجھتی ہیں اور ان سے کئی تاریک گوشے منور ہوتے ہیں راقم کے پاس بھی مختار الدین احمد کے کچھ خطوط ہیں جو انھوں نے جناب جلیل قدوائی کو لکھے تھے۔ قدوائی صاحب نے یہ خطوط اپنے دیگر خطوط کے ساتھ راقم کو عطا کیے تھے۔

تبصرے:۔ مکتوبات کے بعد تبصرے ہیں جن میں فاضل مدیر تحقیق کے قلم سے [illegible] کتب و رسائل پر نہایت عالمانہ و فاضلانہ تبصرے لکھے ہیں۔ مدیر تحقیق نے جن کتب و رسائل پر تبصرے کیے ہیں یہاں صرف ان کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ دیوان غمگین (بصورت عکس) مصنف عبدالقادر رام پوری متخلص بہ غمگین

۲۔ فیضان دکن (سلاطین آصفیہ کی علمی و ادبی سرپرستی) از پروفیسر شفقت رضوی

۳۔ اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ از ڈاکٹر وفا راشدی

۴۔ علامہ اقبال اور میر حجاز از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

۵۔ کتابیات اسلام (شمارہ جات ۴۳،۴۲) از عارف نوشاہی

۶۔ اقبال اور معاصر ادبی تحریکیں از خالد اقبال یاسر

۷۔ اردو ڈراما (فن اور منزلیں) از پروفیسر سید وقار عظیم ترتیب ڈاکٹر سید معین الرحمن

۸۔ غالب نامہ (تجزیاتی مطالعہ) از عاصمہ اعجاز

۹۔ چند قدیم ڈرامے (تعارف اور تجزیہ) از پروفیسر سید وقار عظیم مرتب ڈاکٹر سید معین الرحمن

۱۰۔ فورٹ ولیم کالج (تحریک اور تاریخ) از سید وقار عظیم مرتب ڈاکٹر سید معین الرحمن

۱۱۔ اردو میں ہائیکو (مستقبل اور امکانات) مشترکہ مطالعہ از ڈاکٹر یونس حسنی، پروفیسر ہیرو جی کتاو کا۔

۱۲۔ مجلہ اوج کا نعت نمبر (دو ضخیم جلدیں) مدیر اعلیٰ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، مدیر: محمد ریاض

۱۳۔ یادگار نامہ فخر الدین علی احمد مرتبین: پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین احمد، ڈاکٹر شریف حسین قاسمی

۱۴۔ فخر الدین علی احمد میموریل والیوم (بزبان انگریزی) مرتبین: پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر اسلوب احمد

دیگر مبصرین میں مسز رابعہ اقبال، فہمیدہ شیخ، حسین احمد جیلانی اور سید جاوید اقبال شامل ہیں۔ یہ تمام شعبہ اردو کے فاضل اساتذہ کرام ہیں جنھوں نے مندرجہ ذیل کتابوں پر عمدہ تبصرے کیے ہیں۔

۱۔ مطالعہ حسرت موہانی (شفقت رضوی کے مقالات کا مجموعہ) مرتب حسن وقار گل

۲۔ تنقید کی آزادی (مجموعہ مضامین) از مظفر علی سید

۳۔ فن تاریخ گوئی از غلام حسن کسرنی منہاس

۴۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۳،۴ برائے ۹۵۔۱۹۹۴ء مدیر ڈاکٹر سید معین الرحمن

۵۔ مرقع احوال و امثال ۔۔۔ سید یوسف بخاری دہلوی

۶۔ اردو رسائل ۱۹۹۲ء میں (خدا بخش صدی تقریب کی ایک پیش کش) ناشر خدا بخش لائبریری پٹنہ۔

آخر میں فاضل مدیر تحقیق کی اضافی یادداشتیں، رفتار تحقیق (شعبہ اردو کی کارکردگی) اور مجالس تحقیق و مذاکرہ (منعقدہ شعبہ اردو سندھ) کے ذیل میں تفصیلات پیش کی گئی ہیں تحقیق کی ایک اور قابل ذکر بات جو رہی جاتی ہے یہ کہ اس کے مشمولات کا ذکر اس کے آخر میں انگریزی میں بھی کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

تحقیق (شمارہ ۱۰۔۱۱)

سندھ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے اس مجلّے کے گذشتہ شماروں کا ذکر ان صفحات میں پہلے بھی آچکا ہے، اس شمارۂ خاص سے بھی موضوعات کے حسنِ انتخاب اور مرتب کی محنت وسلیقے کا پتا چلتا ہے، سندھ یونی ورسٹی کی پچاسویں سالگرہ پر اس سے بہتر تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے، ۱۰۴۸ صفحات پر مشتمل اس مجلّے کا خاص موضوع تحقیقِ منسوبات ہے، مشاہیر کے ملفوظات و تالیفات اور کلام میں جعلی والحاقی مضامین یا کسی ادبی کاوش کا غلطی سے دوسرے سے منسوب ہو کر مشہور ہونے کا مسئلہ خاصا قدیم ہے، معارف اور دیگر علمی رسائل میں وقتاً فوقتاً اس قسم کے علمی وادبی الحاقات پر اہلِ تحقیق کی نگارشات آتی رہتی ہیں۔ زیرِ نظر شمارے میں ایسے قریب ۶۵ مضامین یک جا کیے گئے ہیں، خود فاضل مدیر کے قلم سے اس موضوع پر چند عمدہ تحریریں بھی ہیں، اس طرح اس فن سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ مجلّہ دستاویزی حیثیت کا حامل ہو گیا ہے، مدیر معارف کے دو مضامین تفسیر کبیر اور اس کا تکملہ اور عون المعبود کا مصنف کون ہے بھی شاملِ اشاعت ہیں، فاضل محقق ڈاکٹر نذیر احمد کے قریباً ۱۳ مضامین بھی زیبِ صفحات ہیں، چیدہ مقالات کا باب بھی ہے اور ایک اہم گوشہ نام ور محقق نبی بخش بلوچ کی قابلِ قدر علمی خدمات کے اعتراف کے لیے خاص کیا گیا ہے جو ان کے حالات اور چند منتخب مضامین کے لیے مختص ہے، ایامِ گذشتہ کے چند اوراق میں انھوں نے اپنے ماضی کی داستان لطف و لذت سے سنائی ہے، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے متعلق ان کے تاثرات آج بھی لائقِ غور و فکر ہیں، ایک اور دلچسپ مضمون میں انھوں نے اپنے فاضل استاذ مولانا عبدالعزیز میمنی کی یادوں کو قلم بند کیا ہے، یہ تحریر بھی دلچسپ اور مفید ہے، البتہ بعض باتیں تشریح طلب ہیں مثلاً ص ۱۰۱ پر تاریخ صقلیہ کے متعلق علامہ میمنی کے خیالات، جن کی وضاحت و تنقیح کے لیے اب متعلقہ حضرات میں کوئی بھی موجود نہیں، ایک جگہ منشی امیر اللہ تسلیم کو شاگرد غالب لکھا گیا ہے جو قطعی درست نہیں، آخر میں ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر مختار الدین احمد کے چند علمی خطوط بھی ہیں اتنے ضخیم شمارے میں کمپوزنگ کے اغلاط بہت کم ہیں، لیکن آصفہ زمانی کے مضمون میں ص ۲۹۶ پر مہمل کو مُحمل دیکھ کر نگاہ ضرور ٹھہر جاتی ہے، اس بیش قیمت ارمغان علمی کے لیے فاضل مدیر اور جامعۂ سندھ ستائش اور تبریک کے مستحق ہیں، ہر صاحبِ ذوق کے ذخیرۂ کتب میں اس شمارے کو ضرور شامل ہونا چاہیے۔ (معارف، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۹۹ء)

Marfat.com

شاہ انجم

تحقیق (۱۰۔۱۱)

تحقیق کا خاص شمارہ ہمارے سامنے ہے جو اپنی ضخامت سے قطع نظر بہ لحاظ قدر و قیمت نہایت وقیع اور اہم ہے۔ شعبۂ اردو سندھ یونی ورسٹی کے شعبہ جاتی تحقیقی مجلے کی حیثیت سے رسالہ تحقیق کی بے نظیر علمی و ادبی تحقیقی اور تاریخی خدمات قابل تعریف ہیں۔ مجلّے کی ان خدمات کو تاریخ ادب میں ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا آج بھی نہ صرف پاک و ہند کی جامعات، مجلہ تحقیق کو رشک کی نظر سے دیکھتی ہیں بلکہ دنیا بھر میں اردو فارسی کے علمی حلقوں میں اس کی خوب تحسین کی جا رہی ہے۔ مجلہ تحقیق کی اس کامیابی کا سہرا بلاشبہ اور بلا شرکت غیرے سابق صدر شعبۂ اردو، استاذیٔ مکرم، پروفیسر اور ڈاکٹر نجم الاسلام کے سر جاتا ہے۔ جنھوں نے شعبہ اردو جامعہ سندھ میں اعلیٰ علمی و تحقیقی روایات کو پروان چڑھایا اور ایک بھرپور علمی فضا قائم کر دی۔ زیر تبصرہ شمارۂ خاص کئی بنا پر نہایت اہمیت کا حامل ہے جن میں سے ہم دو حسب ذیل پہلوؤں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کرنا چاہیں گے۔

۱۔ ۱۰۶ صفحات پر مشتمل نہایت وقیع گوشہ بلوچ (ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کی نصف صدی سے بھی زائد عرصے کی علمی خدمات جلیلہ پر یہ گوشہ بطور تہنیت پیش گیا گیا ہے)

۲۔ ۱۵۶ صفحات پر مشتمل گوشۂ تحقیق منسوبات، علاوہ ازیں شمارۂ ہذا میں منہاج تحقیق اور عمومی موضوعات پر بلند پایہ علمی مقالات، اہم مکتوبات، تحقیقی تبصرے اور رفتار تحقیق کے مشمولات حسب سابق اپنی آب و تاب دکھلا رہے ہیں۔ گوشۂ تحقیق منسوبات دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ہم گوشۂ تحقیق منسوبات پر اجمالی نظر ڈالتے ہوئے چند اہم مقالوں کا سرسری ذکر کرنا ضروری جانتے ہیں۔ اس گوشے میں جن اہم مقالہ نگاروں نے داد تحقیق دی ہے۔ ان کے نام اور مقالات بالترتیب اور بلا تبصرہ پیش کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ تفصیل میں جانے کا یہ محل نہیں ہے (الف) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے مندرجہ ذیل سات مقالات کے عنوانات یوں ہیں۔ ۱۔ دیوان حضرت عبدالقادر جیلانی ۲۔ دیوان قطب الدین ۳۔ دیوان ظہیر اور اس کا مصنف ۴۔ حضرت عثمان کا رسالہ عشقیہ ۵۔ رسالہ گنج الاسرار ۶۔ بعض منظوم کتابیں ۷۔ اور عمادی غزنوی یا عمادی شہریاری (ب) ڈاکٹر نذیر احمد کے بارہ مقالات گوشہ تحقیق منسوبات کی زینت ہیں چند اہم مقالات یہ ہیں۔ ۱۔ حافظ شیرازی کے دیوان میں غلط انتسابات کی مثالیں ۲۔ قدیم متون میں تصرفات و تحریفات کے وجوہ ۳۔ غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات ۴۔ کیا دیوان قطب الدین دیوان خواجہ بختیار کاکی ہے؟ ۵۔ کیا مصباح الارواح کا مصنف جمالی دہلوی تھا؟ ۶۔ کیا کتاب "مینا بازار" ظہوری کی تصنیف ہے (تلخیص)؟ ۷۔ فرہنگ قواس کا جعلی نسخہ ۸۔ خسرو ثانی جمالی دہلوی سے منسوب کتابیں ۹۔ بھاگ متی اور بھاگ نگر افسانہ یا حقیقت؟

Marfat.com

حکیم محمد موسیٰ امرت سری کا مقالہ کیا رسالہ کشف الاسرار داتا گنج بخش کی تصنیف ہے ؟" ڈاکٹر وحید قریشی کا مقالہ " پیر کلیر اور ان کا فارسی دیوان ڈاکٹر خلیق انجم کا مقالہ " غلط انتسابات کے " اسباب و وجوہ " اور ڈاکٹر گیان چند جین کا مقالہ " الحاق اور غلط انتساب " بھی اہم ہے ۔ مدیر تحقیق ڈاکٹر نجم الاسلام کے مندرجہ ذیل آٹھ مقالات بھی گوشۂ تحقیق منسوبات میں شامل ہیں جو اس گوشے کی قدروقیمت کو نہ صرف بڑھا رہے ہیں بلکہ اس موضوع سے ان کے گہرے شغف اور دل چسپی کے بھی عکاس ہیں اسی دل چسپی نے ان سے یہ قابل صد تحسین و آفرین گوشہ مرتب کروایا ہے مقالات کی تفصیل یہ ہے ١۔ مسئلہ ملکیت تصنیف کے بارے میں رچرڈ ایلٹیک کی تصریحات ٢۔ رسالہ تنقید بر کلام شسید کا مصنف کون ہے ؟ ٣۔ کچھ کتاب سرالعالمین کے غزالی سے انتساب کے بارے میں (فارسی سے ترجمہ) ٤۔ رسالہ نوریہ کس کی تصنیف ہے ؟ (فارسی سے ترجمہ) ٥۔ آیا کتاب السعادہ والاسعاد ابوالحسن عامری کی تصنیف ہے (فارسی سے ترجمہ) ٦۔ خیام کی اصیل رباعیاں کون سی ہیں (فارسی سے تلخیص و ترجمہ) ٧۔ کچھ منسوبات کچھ تحقیق منسوبات کے بارے میں ٨۔ کیا نعتیہ قطعہ " یا صاحب الجمال " شاہ عبدالعزیز کا ہے ؟ ٩۔ آزاد بلگرامی سے منسوب گربہ نامہ ۔ اس کے علاوہ " شاہ ولی اللہ دہلوی سے منسوب بعض رسالے " از ڈاکٹر محمد ایوب قادری ۔ " بابر بعشق کوش والا شعر کس بابر کا ہے " از ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی ۔ پرتھوی راج راسو کی تاریخی حیثیت از ڈاکٹر امیر اللہ شاہین اور تفسیر کبیر اور اس کے تکملے کے متعلق از الاستاذ عبدالرحمن المعلمی (مترجم ضیاء الدین اصلاحی) کے مقالات کی افادیت و اہمیت ان کے عنوانات سے ہی ظاہر ہے مکتوبات کے ذیل میں ڈاکٹر مختارالدین احمد (علی گڑھ) کے ١٠۔ اور ڈاکٹر نذیر احمد (علی گڑھ) کے دو نہایت عالمانہ خطوط بنام مدیر تحقیق شامل ہیں جن سے علم و ادب کی بہت سی گتھیاں سلجھتی نظر آتی ہیں۔ الغرض تحقیق کا زیر تبصرہ شمارۂ خاص واقعی ایک اہم یادگار اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اس کی اشاعت پر ہم سندھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر اور دیگر ارباب اختیار کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں مجلۂ تحقیق کے مدیر اور ان کے معاونین بھی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

Marfat.com

انعام الحق عباسی

رسالہ "تحقیق" شمارہ (۱۱-۱۰)

ایک جائزہ

تحقیق کسی بھی میدان میں کی جائے دقت طلب کام ہے، بالخصوص ادبی تحقیق کہ جس میں تنقیح طلب امور کو زیادہ وسیع تناظر میں پرکھا جاتا ہے، اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ ادبی تحقیق ہماری ملکی جامعات میں بھی کی جا رہی ہے اور جامعات سے باہر بھی، یہ الگ بات ہے کہ دونوں کا معیار مختلف ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسمی تحقیقی مقالات کا معیار جو کسی سند کے لیے لکھے جاتے ہیں غیر رسمی مقالات سے پست نظر آتا ہے۔ عموماً یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جامعات سے وابستہ اساتذہ جنھیں تدریس کے ساتھ تحقیق کی سہولت بھی حاصل ہے ان کے تحقیقی مقالات بھی شاذ ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ بظاہر یہ بھی ہے کہ ہماری جامعات سے ایسے رسالوں کا اجراء کم ہی ہوتا ہے جو جامعات کے اساتذہ کی تحریروں کو سامنے لائیں۔

اس لحاظ سے سندھ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے تحقیقی مجلّے "تحقیق" کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ اس نے بہت تھوڑے عرصے میں پاک و ہند کی جامعات اور اہلِ علم میں اپنے تحقیقی مقالات کی بناء پر اعتبار قائم کیا ہے۔ ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۷ء تک اس کے گیارہ شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں، شعبۂ اردو سندھ یونی ورسٹی کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے فضلاء کی تحریریں بھی اس مجلّے کی زینت بنتی رہی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ بیش قیمت تحقیقی مقالوں سے مزین اس مجلّے کا اس طور سے جائزہ لیا جائے کہ وہ طلبہ و اساتذہ بھی اس کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو سکیں جن کی دست رس سے یہ مجلّہ ابھی تک دور ہے۔ ذیل میں "تحقیق" کے شمارہ خاص ۹۷-۱۹۹۶ء کے مندرجات کا بالخصوص جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

زیرِ نظر شمارے کو مختلف حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ "گوشۂ بلوچ" ملک کی معروف شخصیت ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کی علمی و تحقیقی خدمات کے جائزے پر مشتمل ہے۔ سندھ یونی ورسٹی میں پہلا شعبہ تعلیم کا تھا اور پہلا تقرر ڈاکٹر صاحب کا ہوا۔ آپ سندھ یونی ورسٹی شعبہ تعلیم کے بانی پروفیسر تھے بعد ازاں سندھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ شعبہ سندھی کے پہلے استاد اور سربراہ ہونے کا اعزاز بھی آپ ہی کو حاصل ہے، تعلیم، لسانیات، اور تحقیق کے میدان میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ اعلیٰ حکومتی عہدوں پر

Marfat.com

بھی فائز رہے ہیں، صدارتی اعزازِ کمال (برائے اساتذہ)، تمغاے پاکستان، ستارۂ قائدِ اعظم اور صدارتی تمغاے حسنِ کارکردگی آپ کی خدمات کا ادنیٰ سا اعتراف ہیں، اردو، سندھی اور انگریزی کے کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ آپ کے تحقیقی و تدوینی کارناموں کی فہرست نوے سے متجاوز ہے، جس میں سندھی لوک ادب ۴۳ جلدیں، شاہ جو رسالو ۱۰ جلدیں، جامع سندھی لغات ۵ جلدیں شامل ہیں۔

"گوشۂ بلوچ" میں ڈاکٹر بلوچ کی متعدد تحریریں شامل ہیں لیکن قابلِ ذکر "محاضراتِ میمنی" ہے جو ان کی زمانہ طالب علمی کی یادداشتوں پر مشتمل ہے۔ ڈائری کے ان اوراق میں انھوں نے اپنے استاد علامہ عبد العزیز میمنی کے ارشادات کو نقل کیا ہے ان صفحات کے مطالعے سے جہاں مولانا میمنی کی علمی شخصیت عمدہ طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے، وہیں ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ہونہار شاگرد کس طرح اپنے اساتذہ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مختار الدین احمد کا مضمون بھی لائقِ توجہ ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر بلوچ کی شخصیت کے علمی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "تحقیق" میں اس سے پہلے بھی دو فضلاء، محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اور قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی (م ۱۹۵۵ء) سے متعلق مخصوص گوشے شائع کیے جاچکے ہیں جو علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں، یہ دونوں حضرات بھی سندھ یونی ورسٹی کے کثیر التصانیف استاد رہے ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (ولادت ۱۹۱۲) بہ فضلِ تعالیٰ بہ قیدِ حیات ہیں اور ان کا علمی فیضان آج بھی جاری ہے۔(۱)

دوسرا حصہ "منہاجِ تحقیق" سے متعلق ہے جس کے تحت دو مضامین "واپسی ترجمہ تکنیک" از نگینہ پروین اور "تدوین: معیاری اسلوب کی تلاش" از زاہد منیر عامر شامل ہیں۔(۲) "واپسی ترجمہ تکنیک" میں ترجمے کے مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اور چند اصول پیش کیے گئے ہیں جنھیں اختیار کر کے ترجمے کو اصل عبارت سے نزدیک تر کیا جاسکتا ہے۔

"مقالات" کے زیرِ عنوان تازہ مضامین شامل ہیں۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر نجم الاسلام، ڈاکٹر آصفہ زمانی، سید محمد سلیم اور ڈاکٹر قمر جہاں مرزا شامل ہیں۔ اس حصے میں شامل سبھی مضامین اہمیت کے حامل ہیں لیکن ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے مضامین خاص طور پر لائقِ مطالعہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا پہلا مضمون "موضح قرآن" کے حوالے سے ہے جس میں انھوں نے شاہ عبد القادر دہلوی کی اردو تفسیر "موضح قرآن" کے مختلف نسخوں کا جائزہ لے کر اصل اور مشکوک نسخوں کی نشان دہی کی ہے۔(۳) دوسرے مضمون بہ عنوان "اقبال کا ایک مکتوب اور اس کا ماخذ" میں علامہ اقبال کے ایک ایسے انگریزی مکتوب کا متن، اردو ترجمہ اور تعارف پیش کیا گیا ہے جو تقریظ کے طور پر لکھا گیا تھا اس مضمون کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ خط غیر مطبوعہ تو نہیں ہے کیوں کہ یہ جس کتاب کی تقریظ ہے اس کے آخر میں شامل ہو کر ایک بار چھپ چکا ہے لیکن اب تک غیر مدون ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ سید مظفر حسین برنی کی مرتب کردہ ضخیم

Marfat.com

"کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" میں بھی یہ خط شامل نہیں ہے۔ تیسرا مضمون بہ عنوان "دیوانِ غمگین کے تعاقب میں" شاملِ اشاعت ہے۔ اس مضمون میں دیوان غمگین کے تین قلمی نسخوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔(۴)

موجودہ شمارے کا سب سے اہم حصہ تحقیقِ منسوبات پر مشتمل ہے جسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے منسوبات کی اصطلاح سرقہ، التباس، انتحال، جعل، ملکیتِ تصنیف اور غلط انتساب کی تحقیق کو محیط ہے۔

تحقیقِ منسوبات حصہ اوّل اور دوم میں اردو، عربی، فارسی، کلاسیکی شاعری، صوفیہ کی تصانیف اور تصوف پر مبنی کتب کے غلط انتساب کے حوالے سے تحریریں شامل ہیں۔ تحقیقِ منسوبات سے متعلق، اصول اور طریقوں کی توضیحات پر مبنی مقالات بھی قابلِ لحاظ تعداد میں ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے رچرڈ ڈایلنگ، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر گیان چند اور مدیر تحقیق کے مضامین تحقیق منسوبات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں ان سب تصریحات کو سامنے رکھا جائے تو تحقیقِ منسوبات سے متعلق بہت سے مسائل اور حل طلب پہلوؤں کی وضاحتیں سامنے آجاتی ہیں۔

حصۂ منسوبات کے حوالے سے جو مضامین شامل ہیں ان کا تعارف کرائے بغیر اس شمارے کی اہمیت واضح نہیں ہو سکتی۔ ذیل میں چند مضامین کے حوالے سے گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔ ان مضامین میں علمی سرمائے کا انتخاب بھی شامل ہے۔ اور تازہ مضامین بھی۔

تحقیق منسوبات کے حوالے سے پہلی کوشش شبلی نعمانی کی ہے، امام غزالیؒ کی بعض تصانیف کے محوث فیہ ہونے کی نشان دہی اردو میں سب سے پہلے انھی نے کی۔ بعد میں دوسرے فضلاء نے اس جانب توجہ مبذول کی۔ اس حوالے سے شبلی نعمانی کا مضمون اور ایرانی محقق علی رضا ذکاوتی قراگزلو کا مضمون لائقِ مطالعہ ہیں۔ اسی طرح حافظ محمود شیرانی وہ محقق ہیں جنھوں نے تحقیق کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور اپنے طریق کار سے تحقیق کو اعتبار بخشا۔ انھوں نے اپنے مضامین میں "دیوانِ خواجہ معین الدین اجمیری" اور "قصہ چہار درویش" کے غلط انتساب کے حوالے سے جو مواد پیش کیا ہے وہ محققین کے لیے مشعلِ راہ ہے۔(۵)

ڈاکٹر نذیر احمد کا نام بھی پاک و ہند کے اردو دان طبقے میں تحقیق کے حوالے سے معروف ہے انھوں روایاتِ شیرانی کی پیروی خوش اسلوبی اور جاں فشانی سے کی۔ ان کے چودہ مضامین اس شمارے میں شامل ہیں۔ عمید لوئکی، دیوان قطب الدین، مصباح الارواح، مینابازار اور فرہنگِ قواس کے حوالے سے ان کے مضامین درست انتسابات کی شناخت اور غلط انتسابات کی تردید کی عمدہ مثال ہیں۔

تحقیقِ منسوبات کے حوالے سے استاذ الاساتذہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے مضامین گراں قدر ہیں، دیوان قطب الدین، دیوانِ ظہیر اور اس کا مصنف، حضرت عثمان کا رسالہ عشقیہ، رسالہ گنج الاسرار، بعض منظوم کتابیں، عمادی غزنوی یا عمادی شہریاری وہ مضامین ہیں جن سے نو آموز محققوں کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

Marfat.com

مدیر تحقیق ڈاکٹر نجم الاسلام کے مضامین بھی تحقیق منسوبات کی عمدہ مثال ہیں۔ ان کے مضامین کی خاص بات یہ ہے کہ وہ غیر ضروری طوالت سے گراں بار نہیں ہوتے۔ موجودہ شمارے میں ڈاکٹر صاحب کے بارہ مضامین شامل ہیں جو سب تحقیق منسوبات کے ذیل میں آتے ہیں۔ تین مضامین فارسی سے ترجمہ ہیں۔ ان کے مضامین رسالہ تنقید بر کلام شہید، نعتیہ قطعہ یا صاحب الجمال . . . : خرامی سے منسوب گربہ نامہ تحقیق منسوبات میں اچھا اضافہ ہیں۔

تحقیقِ منسوبات کے حوالے سے بعض ایسی تحریریں بھی شامل ہیں جن کا موضوع ایک ہے لیکن محقق مختلف اور ایک دوسرے کی تحقیق سے ناواقف۔ اسی لیے ان کے استخراجِ نتائج دو مختلف مزاج اور منہاج کی نشان دہی کرتے ہیں لیکن بہ اعتبار نتائج دونوں تحریریں یکساں ہیں۔ اس قسم کی تحریریں متوازی تحریریں کہلاتی ہیں۔ مثال کے طور پر پہلے ڈاکٹر نذیر احمد نے "دیوانِ قطب الدین" پر مقالہ تحریر کیا بعد میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کے علم میں ڈاکٹر نذیر احمد کا مقالہ بعد میں آیا دونوں مقالے مزاج کے اعتبار سے مختلف لیکن نتائج کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ "زیب النساء اور دیوانِ مخفی" پر کلکتے کے پروفیسر محفوظ الحق اور دہلی یونیورسٹی کے ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی کی تحریریں بھی اسی ذیل میں آتی ہیں۔ ایسی ہی ایک مثال مالک رام اور شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی کے سید جاوید اقبال کے مضامین کی ہے دونوں نے قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کے مقالے "مرزا غالب اور امیر مینائی" کا رد کیا ہے۔ قاضی صاحب کا مضمون اکتوبر ۱۹۵۴ میں نوائے ادب بمبئی میں شائع ہوا تھا۔ مالک رام کا اجمالی رد جنوری ۱۹۵۵ء میں نوائے ادب بمبئی میں شائع ہوا۔ قاضی صاحب کا یہی مضمون "مضامین اختر جوناگڑھی" انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۸۹ میں چھپا تو سید جاوید اقبال نے اس مضمون کا رد لکھا، مالک رام کی تحریر ان کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ مالک رام کے پیشِ نظر غالب کی شخصیت تھی جب کہ سید جاوید اقبال کی دل چسپی کا محور امیر مینائی تھے۔ مزاج کا یہی فرق دونوں کے مضامین میں دیکھنے میں آتا ہے۔ سید جاوید اقبال کا مقالہ مفصل ہے اور تحقیق کے حوالے سے یہ ان کے روشن مستقبل کی طرف سے بہت سی امیدیں دلاتا ہے۔

"تفسیر کبیر اور اس کے تکملے کے متعلق" عبدالرحمٰن المعلمی کی تحریر بھی اہمیت کی حامل ہے جس کا عربی سے ترجمہ ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے کیا ہے۔ مضمون نگار نے پوری تحقیق و کاوش کے بعد امام رازی کی اصل تفسیر اور اس کے تکملے کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہے یہ کام اس لحاظ سے زیادہ مشکل تھا کہ امام رازی نے ترتیب سے تفسیر لکھنے کے بجائے متفرق حصوں کی شرح لکھی اور اس خلا کو بعد میں دوسروں نے پورا کیا، مضمون نگار نے اعلیٰ تنقیدی اور تحقیقی شعور کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام رازی کی اصل تفسیر کو علاحدہ کیا ہے۔

"متعاقب تحریریں" کے زیرِ عنوان جو مضامین شامل ہیں وہ بھی قابلِ قدر ہیں۔ زیرِ نظر شمارے میں ہر تحریر کا عنوان مطالعے کی دعوت دیتا ہے اور ہر مضمون کسی نہ کسی گوشے کی نقاب کشائی کرتا ہے۔

اس شمارے کا ایک حصہ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ رسالہ تحقیق میں اب تک جن حضرات کے مکتوبات

Marfat.com

پیش کیے گئے ہیں ان میں ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ)، ڈاکٹر نذیر احمد (علی گڑھ) اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (حیدر آباد) شامل ہیں۔ یہ سلسلہ تحقیق کے کئی سابق شماروں سے جاری ہے اور موجودہ شمارہ خاص میں بھی ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد اور ڈاکٹر نذیر احمد کے مکتوبات ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اور ڈاکٹر نجم الاسلام کے نام ہیں۔

صاحب علم لوگوں کے مکتوبات بھی علمی مباحث سے پر ہوتے ہیں اس کا اندازہ ان مکتوبات کے مطالعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ بھی چلتا ہے کہ "تحقیقِ منسوبات" کے حوالے سے شمارہ ترتیب دینے کا خیال ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کو پانچ چھے سال پہلے آیا تھا اور اتنے عرصے میں دوسرے شماروں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس شمارے کی ترتیب کا کام بھی جاری رہا۔

ڈاکٹر نذیر احمد نے ایک مکتوب میں تاریخی تحقیق کی شہادت پر عمدہ روشنی ڈالی ہے جس سے طالبانِ تحقیق فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ (۶) مکتوبات کے مطالعے سے یہ بات بھی علم میں آتی ہے کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے "کلیاتِ مکاتیب اقبال" کے حواشی کے سلسلے میں مظفر حسین برنی کی خاصی مدد کی ہے اور بعض امور پر وہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اور ڈاکٹر نجم الاسلام سے رائے لیتے رہے ہیں خطوط کے مطالعے سے دونوں ملکوں کی ادبی سرگرمیاں بھی کسی حد تک علم میں آتی ہیں۔

اس رسالے کے ہر شمارے میں علمی و تحقیقی کتابوں پر تبصرے کیے جاتے ہیں موجودہ شمارہ خاص میں بھی چودہ کتابوں پر تبصرے موجود ہیں۔ تبصرے کے حصے کی فضا خالص علمی و تحقیقی ہے کیوں کہ صرف علمی و تحقیقی کتابوں ہی پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ تبصرہ نگاروں میں سرِ فہرست ڈاکٹر نجم الاسلام ہیں باقی تبصرہ نگاروں میں شعبہ اردو کے اساتذہ شامل ہیں۔

ضمنی فوائد

اس خاص شمارے کے کچھ ضمنی فوائد بھی سامنے آتے ہیں اس میں ماضی کے ایسے بہت سے فاضلوں کے نام اور کام کا تذکرہ آگیا ہے جن کو بد قسمتی سے ہماری علمی دنیا آہستہ آہستہ فراموش کرتی جاتی ہے۔ علامہ عبد العزیز میمنی کے علمی و تحقیقی افادات اتنی کثرت کے ساتھ "گوشۂ بلوچ" کے "محاضرات میمنی" میں آگئے ہیں کہ نہ صرف اس فاضل بے بدل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے بل کہ ان کے نمایاں کام، اصول تحقیق، منہاج تحقیق اور ان کی کثرتِ معلومات سے متعلق تصریحات بھی سامنے آجاتی ہیں۔

اسی طرح مولانا شبلی کی علمی و تحقیقی فضیلت کو غالباً پہلی بار روشنی میں لایا گیا ہے کہ وہ اردو زبان کی حد تک تحقیق منسوبات کے میدان میں پہل کرنے والے ہیں۔ ان کی اور سب علمی فضیلتیں تو بے شک سورج کی طرح روشن ہیں مگر تحقیق منسوبات کے میدان میں اولیت و تقدم کی فضیلت اسی رسالے کے ذریعے ابھر کر سامنے آئی ہے۔

اپنے وقت کے ایک اور نہایت بلند پایہ فاضل اور محقق ڈاکٹر محمد اقبال (م ۱۹۴۸ء) پروفیسر فارسی،

Marfat.com

ینٹل کالج لاہور کی علمی فضیلتوں کے بارے میں تصریحات رسالے میں سامنے آتی ہیں۔ ان کے تحقیقی مقالات کا مجموعہ اب تک شائع نہ ہونے کی بناء پر لوگ بالخصوص نئی نسل ان کی فضیلتوں کو فراموش کرتی جاتی ہے۔ اس رسالے میں بتایا گیا ہے کہ خیام کی اصیل رباعیوں کو شناخت کرنے کا اصول سب سے پہلے اسی فاضل نے پیش کیا تھا، انھوں نے ایک کانفرنس میں یہ نظریہ پیش کیا کہ تین قافیوں والی رباعیوں کے مقابلے میں چار قافیوں والی رباعیوں کی نسبت خیام کے ساتھ زیادہ قرین صحت ہے اس اصول کو بعد میں شیرانی، سلیمان ندوی اور ایرانی فضلاء نے اپنایا۔

ایک اور قابلِ ذکر بات جو اس رسالے کے مطالعے کے بعد سامنے آتی ہے اور جس کا ذکر رسالے میں نمایاں طور پر کیا بھی گیا ہے یہ ہے کہ منسوبات کی تحقیق میں محمود شیرانی، ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا کام معیار و مقدار میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ ان حضرات نے منسوبات کی تحقیق میں جو اصول اور طریقے برتے ہیں وہ ان کے مقالات کے ذریعے بہ خوبی سامنے آجاتے ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کو اس فہرست میں شامل نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی۔ زیرِ نظر شمارے میں آپ کے بارہ مضامین شامل ہیں جو تحقیق منسوبات سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے متعدد مضامین تحقیقِ منسوبات کے حوالے سے مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اردو زبان میں لکھے گئے مقالات تحقیق میں اسالیبی تجزیے کی مدد سے درست انتسابات کی شناخت اور غلط انتسابات کی تردید کا کام سب سے عمدہ طور پر ڈاکٹر نذیر احمد نے انجام دیا ہے ان کا مفصل مقالہ "کیا مینابازار ظہوری کی تصنیف ہے؟" اسالیبی تجزیے کی بہترین مثال ہے۔

ایک اور ضمنی فائدہ یہ ہے کہ اس شمارے میں چار ایرانی فاضلوں کے ایسے مقالات کے اردو تراجم شامل ہیں جو تحقیق منسوبات سے متعلق ہیں ان مقالات کے مترجم اور تلخیص نگار رسالے کے مدیر ڈاکٹر نجم الاسلام ہیں یہ مقالات تہران یونی ورسٹی کی طرف سے شائع ہونے والے دو مجلوں سے لیے گئے ہیں، یعنی معارف، تہران اور نشر دانش، تہران۔ رسالہ تحقیق کے ذریعے اردو دان حلقوں کو علم ہو سکتا ہے کہ موجودہ دور کے ایرانی فاضلوں اور محققوں کے اصول اور طریقے کیا ہیں۔

تحقیقِ منسوبات کے حوالے سے اس رسالے میں اتنا لوازمہ یکجا ہو گیا ہے کہ اس کی بنیاد پر "تحقیقِ منسوبات" کی ایک مفصل تاریخ لکھی جا سکتی ہے جو یہ بتائے کہ اردو کے علمی و تحقیقی سرمائے میں غلط انتسابات کا شکار ہو جانے والی کتابوں اور تحریروں کی تحقیق کا کام کب سے شروع ہوا اس نے ارتقائی مدارج کیا کیا طے کیے، کن فضلاء و محققین نے اس میں حصہ لیا ہے اور کس کا کام سب سے نمایاں ہے اور یہ کہ آج کی صورت حال کیا ہے یعنی اردو کے تحقیقی سرمائے میں تحقیقِ منسوبات سے متعلق تازہ ترین کام کیا ہوا ہے۔ ان سب پہلوؤں سے متعلق مقالات اس رسالے میں موجود ہیں۔ اب یہ ہمارے ادبی و تحقیقی منظر نویسوں کا کام ہے کہ "تاریخ تحقیقِ منسوبات" کی بنیاد رکھیں۔ دوسرا اہم فائدہ یہ حاصل ہو سکتا ہے کہ ان مقالات کو سامنے رکھ کر یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اردو میں

Marfat.com

٣) موضوع کے اعتبار سے اس مضمون کو حصہ منسوبات میں شامل کیا جانا چاہیے تھا۔

٤) دیوان غمگین پر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کا مقالہ بہ عنوان "دیوان غمگین کس غمگین کا ہے" مجلہ تحقیق کے مشترکہ شمارے (٨-٩) ٩٥-١٩٩٤ء میں شامل کیا (ص ٣٤١ تا ٣٦٣)۔ یہ مضمون تحقیق منسوبات کے حوالے سے عمدہ مضمون کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ ١٩٩٤ء میں محسن بدلاس نے بہ صورت عکس "دیوانِ غمگین" شائع کیا تھا اور پیش لفظ میں یہ وضاحت کی تھی کہ یہ دیوان ان کے پردادا کے برادر بزرگ عبدالقادر غمگین کا ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے اس دیوان کا بہ غور مطالعہ کر کے داخلی شواہد سے یہ ثابت کیا۔ یہ دیوان میر سید علی غمگین کا ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون میں دیوان کی ملکیت کے ممکنہ دعوے دار تین شعراء کا ذکر کیا ہے جو غمگین تخلص کیا کرتے تھے میر سید علی غمگین کے علاوہ باقی دو غمگین داخلی شہادتوں سے مطابقت نہیں رکھتے تھے اس لیے انھیں دیوان کی ملکیت کے دعوے سے خارج کر دیا۔

٥) حافظ محمود شیرانی کے منہاج تحقیق کے حوالے سے مجلہ "تحقیق" شمارہ پنجم، ١٩٩١ء میں ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا ایک مضمون "محمود شیرانی کا تحقیقی طریق کار" شامل ہے انھوں نے تفصیل کے ساتھ نہ صرف تحقیق کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے بل کہ حافظ محمود شیرانی کے تحقیقی سرمائے کا عمیق مطالعہ کر کے ان اصولوں کا سراغ لگایا ہے جن سے کام لے کر حافظ محمود شیرانی نے تحقیق کے عمدہ نمونے پیش کیے۔

٦) مکتوب نمبر ٩ بنام ڈاکٹر نجم الاسلام (مورخہ ١٧ ستمبر ١٩٩٠ء) مشمولہ "تحقیق" شمارہ ٧، ١٩٩٣، ص ٢٩٥۔

Marfat.com

ٹر رفیع الدین ہاشمی   تحقیق (۱۲، ۱۳)

مدیر: ڈاکٹر نجم الاسلام۔ پتا، شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، حیدر آباد، سندھ،

ات ۱۰۱۱۔ قیمت ۴۰ا روپے۔

پاکستانی جامعات میں تحقیقی سرگرمیوں کی کمی کا شکوہ اور معیارِ تحقیق پر عدمِ اطمینان کا ار بالعموم کیا جاتا ہے مگر اس کے برعکس بعض حوصلہ افزا مثالیں بھی سامنے آتی ہیں۔ شعبہ اردو، ھی یونی ورسٹی کا تحقیقی مجلہ اس کی ایک مثال ہے۔ یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ کسی پاکستانی یونی ورسٹی ، شعبہ اردو کا یہ سب سے معیاری اور بلند پایہ تحقیقی رسالہ ہے۔ ایک ہزار سے زائد صفحات پر تل تازہ ضخیم شمارہ (۱۲ اور ۱۳) علمی و ادبی مقالات، مکتوبات، تبصرات اور تحقیقی نوعیت کی فہارس ، ساتھ سامنے آیا ہے۔ ایک گوشہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے سابق پروفیسر عربی ڈاکٹر مختار ین احمد کے مقالات اور ان کے نام امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر لوی محمد شفیع، ڈاکٹر سید عبداللہ، غلام رسول مہر، عبدالماجد دریابادی، مالک رام، پروفیسر حمید رخاں اور مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی جیسی نامور شخصیات کے ۲۲۵ علمی مکتوبات پر مشتمل ہے۔ حصہ پوری ایک کتاب کے بقدر ہے۔ مکتوب الیہ کے حواشی و تعلیقات نے ان مکاتیب کی قدر و ت بڑھا دی ہے۔ ان سے تقریباً نصف صدی کے ایک دور کے بہت سے نامور عالموں کے علمی شاغل و مصروفیات اور ان کی تحقیقی کاوشوں میں پیش رفت پر روشنی پڑتی ہے۔ علمی تحقیق سے دلچسپی کھنے والوں کے لیے اس مجلّے میں رہنمائی کا بہت کچھ سامان موجود ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام اس مجلّے کے بانی مدیر تھے (اسلامی ادب خصوصاً دینی نثر پر ان کا تحقیقی کام بہت وقیع ہے۔ ۱۳ فروری کو ان کا انتقال ہوا، اللہ ان کی مغفرت کرے)۔ زیرِ نظر شمارے میں خود مرحوم کے چار مقالے شامل ہیں ر شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کی اردو تفسیر، موضح قرآن از شاہ عبدالقادر دہلوی کی دو روایتیں، حکیم شریف خاں دہلوی کا ترجمہ قرآن، قاضی محمد معظم سنبھلی کی تفسیر ہندی قلمی)۔ ڈاکٹر محمد سلیم اختر نے نامور ایرانی مصنف اور دانش ور ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کی علمی شخصیت کا احاطہ کیا ہے۔

(ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، مارچ ۲۰۰۱ء)

Marfat.com

خوشی ہوئی۔ تحقیق کے بہت سارے مضامین میں فارسی ادب کے جواہرپاروں کی بازیافت خوشی کا باعث ہے۔

اس ضخیم کتاب میں ۶ مقالے ڈاکٹر نبی بخش، ۱۴ مقالے ڈاکٹر نذیر احمد، ۹ مقالے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ۹ مقالے ڈاکٹر نجم الاسلام اور ۳ مقالے مالک رام نے تحریر کیے ہیں جب کہ بقایا مضامین کے خالقوں میں شبلی نعمانی، امتیاز علی خاں عرشی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر سید امیر حسین عابدی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے نام شامل ہیں۔ ان سب صاحبان علم کے تحقیقی مقالات نے ہی مجلہ "تحقیق" کی وقعت اور اس کی افادیت میں اضافہ کیا ہے جن دوستوں کو تحقیق کا شغف ہے وہ اس شمارۂ خاص کو شعبہ اردو سندھ یونی ورسٹی جام شورو سے حاصل کر کے تحقیق کی روشنی سے اپنے ذہن کو منور کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی "تحقیق" (۱۲۔۱۳)

پاکستانی جامعات کے مختلف شعبے تحقیقی مجلّے شائع کرتے ہیں جو متعلقہ شعبوں کی تحقیقی سرگرمیوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ زیر نظر مجلّہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور ممتاز تحقیقی رسالہ ہے۔ پاکستانی جامعات کے اردو شعبوں میں کوئی بھی ایسا معیاری اور بلند پایہ مجلّہ شائع نہیں کر رہا۔ تحقیق کو معیاری بنانے میں اس کے فاضل مدیر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے تحقیقی شغف، انہماک اور کاوشوں کو بنیادی دخل ہے۔

زیر نظر ضخیم اشاعت تقریباً ڈیڑھ درجن علمی مقالات، متعدد مکتوبات اور گوشہ مختار الدین احمد پر مشتمل ہے، جس میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے سابق پروفیسر عربی کے نام ان کے معاصر مشاہیر کے دلچسپ، علمی مکتوبات کا ایک ذخیرہ شامل ہے۔ (تقریباً ۲۰۰ صفحات کی ایک کتاب کے بقدر) یہ علمی مکتوبات، غالبیات اور دوسرے موضوعات پر ہیں۔ مکتوب نگاروں میں قاضی عبدالودود، مالک رام، غلام رسول مہر، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مولانا امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر حمید احمد خاں اور عبدالماجد دریابادی جیسے فاضل شامل ہیں۔ مکتوب الیہ یعنی مختار الدین احمد صاحب نے خطوں پر مفید معلوماتی حاشیوں کا اہتمام بھی کیا ہے۔

مقالات کے حصے میں ایک مضمون سندھ کے اجڑے ہوئے کتاب خانوں پر ہے (ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ) میر سوز پر تین مضامین ہیں۔ خود ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے چار مضامین ہیں۔ شاہ مراد اللہ سنبھلی اور ان کی اردو تفسیر "موضح قرآن کی دو روایتیں، حکیم شریف خاں دہلوی کا ترجمہ قرآن اور قاضی محمد معظم سنبھلی کی تفسیر ہندی۔ ڈاکٹر محمد سلیم اختر نے علامہ ڈاکٹر سید شہید جعفری کی علمی شخصیت کا دلچسپ تعارف کرایا ہے۔

پاکستانی جامعات میں اردو زبان و ادب سے متعلق سرگرمیوں کی صورت حال کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہے۔ زیرِ نظر مجلّہ "تحقیق" اس ضمن میں ہمارا حوصلہ بڑھاتا ہے اور اس ذوق تحقیق کی آبیاری کرنے میں پیش پیش ہے جو بعض نامور اہلِ تحقیق اور تحقیقی اداروں کا خاصا رہا ہے۔

(ماہنامہ سیارہ، لاہور، اشاعت خاص، دسمبر ۲۰۰۱ء)

Marfat.com

شین عین

تحقیق (۱۳۔ ۱۲)

موجودہ دور میں علم و ادب کے میدان میں اگرچہ تحقیق و تلاش کا رجحان کم ہوتا جارہا ہے اور سوچ کا سطحی انداز تحریر بڑھ رہا ہے، اس کے باوجود کچھ صاحبان دانش ماضی کے علمی خزینے تلاش کرنے اور انھیں متعارف کرانے میں معروف ہیں۔ اس سلسلے میں بعض یونی ورسٹیوں کے مجلّے ایسی تحقیقی تحریریں سامنے لانے میں پیش پیش ہیں جو لائبریریوں، کتب خانوں اور نجی کتابی ذخیروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ مجلّہ "تحقیق" بھی اس سلسلے میں اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ مجلّہ سندھ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کی طرف سے شائع ہوتا ہے جو ڈاکٹر نجم الاسلام مرتب کرتے ہیں۔ اس بار "تحقیق" کا بارہواں اور تیرھواں مشترکہ شمارہ چھپا ہے جو ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں شامل مقالات کا انفرادی تعارف ممکن نہیں ہے۔ صرف لکھنے والوں ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے جن کے ناموں میں شریک ہیں، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر مختار الدین احمد، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر محمد سلیم اختر، ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، ڈاکٹر الیاس عشقی، ڈاکٹر سردار احمد خان، ڈاکٹر زاہد منیر عامر، سید جاوید اقبال اور خود مرتب ڈاکٹر نجم الاسلام۔ ان اہل قلم نے مختلف موضوعات پر تحقیقی تحریریں پیش کی ہیں اور ماضی کے بعض علمی و ادبی خزینوں کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ اپنی کاوش و تلاش کے نتائج مرتب کیے ہیں۔ مجلّے میں ایک بڑا حصہ "گوشہ مختار الدین احمد" کے لیے مخصوص ہے۔ علمی تحقیق سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس مجلّے میں بہت کچھ ہے۔

"شین عین"، روزنامہ "جنگ" کراچی، جمعرات ۳۰ نومبر ۲۰۰۰ء

Marfat.com

”گوشۂ ڈاکٹر نجم الاسلام“

مشمولہ ”انشاء“ حیدر آباد شمارہ نمبر ۲۹

Marfat.com

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

آہ! میرے نجم الاسلام

وہ مجھ سے بہت قریب تھے لیکن افسوس کہ میری عمر اب ایسی نہیں رہی کہ میں ان کے متعلق کچھ زیادہ لکھ سکوں۔ دماغ بھی صحیح نہیں رہا اور آنکھیں بھی بہت کمزور ہیں۔ تاہم میں کوشش کرتا ہوں کہ چند باتیں ہی عرض کر دوں۔

نجم الاسلام صاحب میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ جہاں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے پڑپوتے غلام احمد مدنی (کمشنر) میرے خاص دوست کا مسکن تھا۔

مجھے بالکل یاد نہیں کہ نجم الاسلام صاحب کب سکھر آئے اور ان سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی۔ اسلامیہ کالج سکھر میں بھی ایم۔اے (اردو) کا زبانی امتحان ہوا کرتا تھا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی مرحوم کے ساتھ میں بھی وہاں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہاں کے ایک اسکول کے قریب سے میرا گزر ہوا۔ دیکھا کہ وہ وہاں پڑھا رہے تھے۔ وہ جب کلاس سے فارغ ہوئے تو مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ چاء سے میری تواضع کی۔ ان کی گفتگو سے میں بہت متاثر ہوا۔ وہیں سردار احمد صاحب سے بھی میری ملاقات ہوئی۔ میں نے ان دونوں کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر ان دونوں کو مشورہ دیا کہ وہ پی ایچ ڈی کر لیں۔ ماشاءاللہ ان دونوں نے بڑی محنت کی اور اپنا کام بھی کچھ عرصے کے بعد مجھے دکھلایا۔ نجم الاسلام صاحب نے "دبستانِ دہلی کی اردو نثر" پر مقالہ لکھا۔ اور بڑی محنت سے لکھا میں نے بھی اپنی ناقص معلومات کی بناء پر کچھ باتیں عرض کیں۔ غالباً ۱۹۶۹ء میں انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر وہ شعبہ اردو میں کبھی کبھی تشریف لانے لگے۔ ڈاکٹر سید نعیم ندوی مرحوم نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ آپ نجم

Marfat.com

الاسلام صاحب کے لیے وائس چانسلر صاحب سے عرض کریں۔ اس زمانے میں غلام مصطفٰے شاہ مرحوم وائس چانسلر تھے۔ بہت مخلص اور بہت دلیر تھے۔ یونی ورسٹی کے قانون ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے تھے۔ میرے عرض کرنے سے فوراً انھوں نے نجم الاسلام صاحب کا تقرر کر دیا۔ اس وقت رجسٹرار پناہ علی شاہ تھے۔ وہ قانون قاعدوں کے بہت پابند تھے ۔ انھوں نے مجھے فون کیا کہ آپ نے نجم الاسلام کا تقرر کرایا ہے لیکن ان کی ڈگریوں میں نجم الدین لکھا ہوا ہے ۔ میں نے جواب دیا کہ ان کا **Pen-name** نجم الاسلام ہے۔ اسی نام سے آرڈر نکلوا دیجیے۔ بہ ہر حال سب کام خیر و خوبی سے ہو گئے۔ پھر میں نے رابعہ اقبال کے لیے بھی وائس چانسلر صاحب سے کہا وہ اسکول میں ٹیچر ہیں اور میری عزیز شاگرد ہیں۔ وائس چانسلر صاحب نے بلا تکلف ان کا تقرر بھی کر دیا۔

نجم الاسلام صاحب نے بہت محنت اور جاں فشانی سے کام کیا۔ کئی اچھے طلبہ تیار کیے اور ریٹائر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی عزت دی **Visiting Professor** بھی ہوئے اور رسالہ تحقیق کے نام ور مدیر ہوئے۔ اس رسالے میں ان کے جتنے مضامین ہیں وہ اپنے موضوع کے لحاظ سے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور بر صغیر پاک و ہند میں ان کی بڑی مقبولیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر لاکھوں اور کروڑوں رحمتیں برساتا رہے۔ آمین۔

ان کے مزاج کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ دین و دنیا کے تمام فرائض کو پوری طرح ادا کرنے کے عادی تھے۔

اس عاجز نے ان کے انتقال پر یہ قطعۂ تاریخ لکھا تھا:

آہ دنیا سے اٹھ گئے وہ عزیز ۔۔۔ سب کے مونس تھے ان کے سب مونس

ان کا بے مثل رسالہ تحقیق ۔۔۔ رطب ہی رطب ، کچھ نہیں یابس

نجم الاسلام فاضل الاکبر ہیں مقیم بہشت خوش مجلس

۱ ۲ ۴ ۱۵ ۱ ۰ ۰ ۶۲

سہ شنبہ ۸ ذی قعد ۔۔۔ ۱۳ فروری

☆☆☆

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر ایک علمی مسئلے کا ذکر کر دیا جائے۔ ہوا یہ کہ ہندوستان سے ایک مقالہ یقین سے متعلق آیا۔ میں نے شوق سے پڑھا لیکن بعض مقامات پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے میں نے نجم الاسلام صاحب کو اس سلسلے میں جو کچھ لکھا تھا اس کی نقل یہ ہے۔

محمد حسین کلیم کا شعر ہے:

یقین کے شعر پر ہیں بدگماں بھے کہ اس کے نیں

غلط ہے ، ہم نے پوچھا ہے گا مرزا جانِ جاناں کو

میر حسن کے تذکرۂ گلشنِ ہند میں ہے:

Marfat.com

"میرزا رفیع سودا و میر سوز سلمہا گواہی دارند کہ روزے ماہاں در خانہ انعام اللہ رفتہ برائے امتحان غزلے طرح نمودیم۔ ہر چند مبالغہ کردیم، ایک مصرع موزوں نہ کرد"۔

"سلمہا" سے ظاہر ہے کہ میر حسن نے یہ تذکرہ سودا اور سوز کی زندگی میں لکھا تھا۔ یقین کے خاموش ہو جانے کا کوئی اور سبب بھی ہو سکتا ہے۔

سودا غالباً ۱۱۷۵ھ تک دہلی میں رہے۔ سوز دہلی میں ۱۱۶۸ھ تک رہے گویا ۱۱۶۸ھ سے پہلے وہ دونوں یقین کے یہاں گئے ہوں گے۔ یقین کا انتقال ۱۱۶۹ھ میں ہوا۔ یقین نے کئی اشعار میں خود کو معمر کہا ہے۔ اس کا حل نہیں کیا گیا۔ وہ یقین جو حضرت مظہر کے شاگرد تھے وہ معمر تھے اور ان کے کئی شاگرد تھے جن کا ذکر تذکروں میں ہے اور وہ یقین جو خواجہ درد کے خاندان کے تھے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ: (خاندانِ مجددؒ سے نہیں تھے)۔

خاندانِ دردؔ مجھ سے کیوں نہ روشن ہو یقیںؔ

حاتم نے ۱۱۵۲ھ میں یقین کی غزل پر غزل لکھی تھی۔ کیا اس وقت یقین آٹھ سال کے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ دوسرے یقین تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خاندان کے یقین کے والد اظہر کا سالِ وفات کیا ہے؟ اس سے بھی کوئی بات بن سکتی ہے۔

حضرت مجدد کے خاندان والے یقین کا انتقال ۱۱۶۹ھ میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت ۲۵ سال کے تھے۔ حضرت مظہر کی شہادت ۱۱۹۵ھ میں ہوئی اور وہ اس وقت ۸۰ برس کے تھے۔

افسوس کہ نجم الاسلام صاحب کو وقت نہ مل سکا کہ وہ کچھ فرماتے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

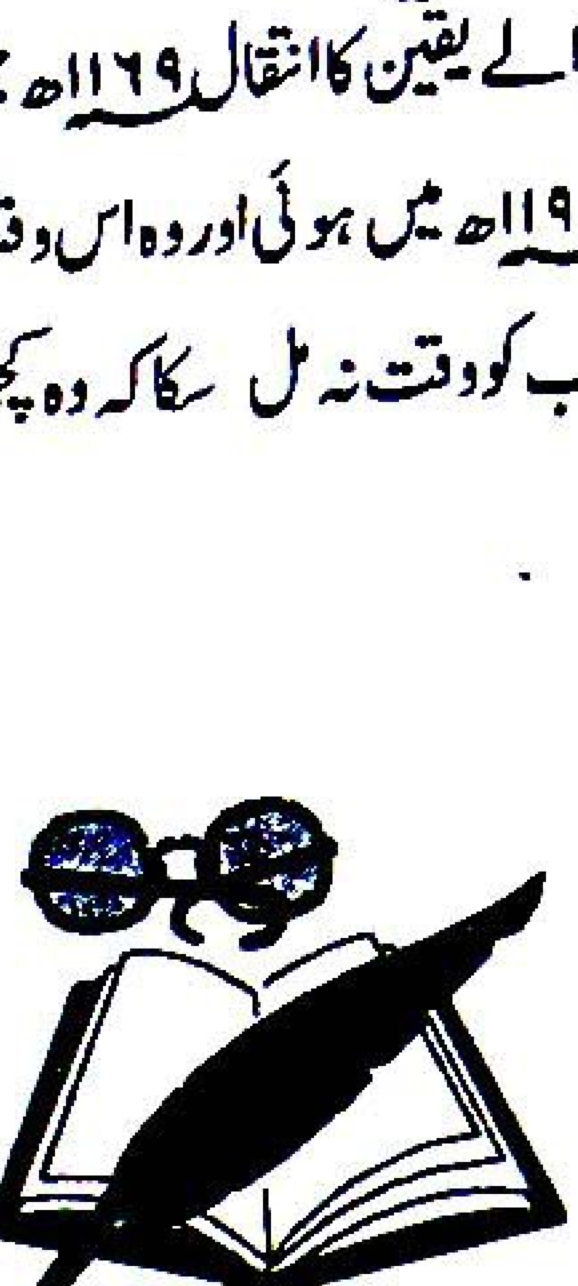

Marfat.com

حافظ منیر احمد خاں

والنجم اذاھویٰ[1]

تقریباً دس سال ہوئے مجھے کراچی سے حیدر آباد منتقل ہوئے۔ اور اس عرصے میں ڈاکٹر صاحب سے بیسیوں ملاقاتیں ہوئیں۔ لیکن یہ یاد نہیں کہ کبھی ڈاکٹر صاحب سے تفصیلی گفت گو ہوئی ہو اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرا موضوع "اردو" نہیں تھا کہ جس پر تفصیلی بات چیت ہوتی۔ ملاقات کا زیادہ تر موضوع میرے دادا پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں جو ڈاکٹر صاحب کے استاد بھی رہ چکے ہیں کے کسی کام کے سلسلے میں ہوتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت سنجیدہ اور بہت زعب دار تھی اور یہ رعب ان کی آواز سے بھی محسوس ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت کم سخن تھے جو پوچھا اس کا جواب مل گیا ورنہ خاموش۔ اس کے علاوہ بہت خوددار تھے اکثر بسوں اور رکشوں میں یا پیدل سفر کرتے تھے کسی سے مدد نہیں لیتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب خاصے عرصے سے بیمار ہونے کے باوجود اپنے تحقیقی کام سے کبھی غافل نہیں رہے اور ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی مفید مشوروں سے نوازتے رہتے۔ جب میں اپنے تحقیقی کام "سندھ میں عربی، فارسی، انگریزی اور اردو تراجم و تفاسیر کا تحقیقی جائزہ" کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کے پاس مشورے کے لیے گیا تو فرمایا کہ آپ کے کام کے لیے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب سے بہتر فرد کوئی نہیں ہو سکتا کیوں

Marfat.com

کہ انھوں نے پورے سندھ کی سرکاری وذاتی لائبریریاں کھنگالی ہوئی ہیں اور حقیقتاً ہوا بھی یہی کہ جب میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو وہ مفید مشورے ملے اور ایسی گم نام لائبریریوں کے پتے معلوم ہوئے کہ جن کے بارے میں میرا خیال ہے کہ اب بھی کوئی شخص ان سے واقف نہ ہوگا۔ میں جس لائبریری میں بھی پہنچا اور ڈاکٹر صاحب کا حوالہ دیا تو سب نے یہی کہا کہ ڈاکٹر صاحب یہاں آچکے ہیں۔

جب میرا تقرر سندھ یونی ورسٹی کے شعبہ عربی میں بحیثیت لیکچرر ہوا تو بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ خوب تحقیقی کام کریں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کوئی عنوان منتخب فرمادیں فرمایا کہ "معارف" دارالمصنفین (انڈیا) کے شماروں میں جو مضامین عربی سے متعلق ہیں انھیں پڑھ کر ان کے متعلق اپنی رائے لکھیں تو وہ ہم اپنے "تحقیق" میں شامل کریں گے۔ ویسے میرا ایک مضمون تحقیق شمارہ نمبر۷-۸ میں "میر رستم خاں تالپور کی ایک اہم دستاویز" شائع فرماچکے ہیں اور یہ میرے لیے بہت اعزاز کی بات ہے "تحقیق" میں کسی کا مضمون شائع ہونا مقالہ نگار کے لیے بہت اعزاز کی بات ہے کیوں کہ ڈاکٹر صاحب کا طریق کار کسی کا مضمون شائع کرنے کے لیے یہ تھا کہ ہر مضمون کو دو یا تین ماہرین کے پاس بھیجتے اگر ان کی رپورٹ حق میں ہوتی تو شائع فرماتے ورنہ نہیں۔ بعد میں میرا تقرر شعبہ اسلامیات میں ہوگیا۔ ایک مرتبہ حج سے واپسی پر ائیرپورٹ پر ڈاکٹر صاحب سے مع اہلیہ ملاقات ہوئی۔ لیکن یہ ملاقات چند گھنٹوں پر محیط تھی اور اس مختصر ملاقات میں عاجز کو ڈاکٹر صاحب کی خدمت کا بھی موقع ملا۔ ہوا یہ کہ ڈاکٹر صاحب جب مکہ سے جدہ حج ٹرمنل پہنچے تو اپنا بیگ اٹھانا بھول گئے بہت تلاش کرنے کے بعد بھی وہ نہیں ملا۔ اتفاق سے میری ملاقات ہوگئی۔ مجھ سے ذکر کیا تو میں نے دریافت کیا کہ کس طرح کا ہے اور کہاں رکھا تھا۔ فرمانے لگے کہ مجھے بالکل یاد نہیں اور یاد ہو بھی کیسے کہ اتنے وسیع علاقے پر حج ٹرمنل محیط ہے کہ اچھا خاصا آدمی کہیں کوئی چیز رکھ کر بھول جائے تو شاید ہی مل پائے۔ ڈاکٹر صاحب جیسے شخص کے لیے اتنے بڑے ایئرپورٹ پر سامان ڈھونڈنا ناممکن تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ دعا کریں میں تلاش کرتا ہوں۔ بس تھوڑی دیر میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بیگ مل گیا۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ بہت خوش ہوئے اور حیرت کرنے لگے۔ اس واقعے کے بعد سے ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ بہت زیادہ شفقت فرمانے لگیں اور اب تک شفقت فرماتی رہتی ہیں اور ڈاکٹر صاحب کی رحلت کے بعد بھی اکثر پوچھتی رہتی ہیں۔ اب ان کی صحت بھی زیادہ ٹھیک نہیں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے آمین۔

ڈاکٹر صاحب کے اندر شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ان کی شرافت کا ایک واقعہ مجھے سندھ یونی ورسٹی کے سابق رجسٹرار محمد صالح راجڑ صاحب نے سنایا کہ جب سندھ میں لسانی فسادات ہو رہے تھے تو اس وقت ڈاکٹر صاحب یونی ورسٹی سے بس میں واپس آرہے تھے تو کچھ لڑکوں نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ

Marfat.com

بد تمیزی کی ڈاکٹر صاحب نے اس واقعے کی اطلاع تک یونی ورسٹی انتظامیہ کو نہیں کی جب دوبارہ سندھ یونی ورسٹی آئے تو صالح صاحب نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کوئی واقعہ رونما ہو گیا اور آپ نے ہمیں اطلاع تک نہیں کی تو فرمانے لگے کہ صالح صاحب میں تو اپنا گھر چھوڑ کر کہیں اور رہ رہا ہوں کہ کہیں صحافی حضرات انٹرویو لے کر اسے اخبارات کی سرخی نہ بنادیں کہ جس سے سندھ یونی ورسٹی کی بدنامی ہو۔ اس واقعہ سے ڈاکٹر صاحب کے اعلیٰ خاندان ہونے کی پہچان ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تو نہ تھے مگر علی گڑھ کی روایات کا بڑا خیال کرتے۔ میرے ہم شعبہ استاد ڈاکٹر محمد انوار خاں صاحب نے ایک واقعہ ڈاکٹر صاحب سے متعلق سنایا کہ ایک مرتبہ ہم دونوں بس میں سوار تھے میں اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور ڈاکٹر صاحب پچھلی سیٹ پر جب میری نظر ان پر پڑی تو میں ان کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا تو فرمانے لگے کہ یہ علی گڑھ کی روایت ہے تھوڑی دیر میں کنڈیکٹر ٹکٹ لینے آیا تو میں پیسے دینے لگا تو فرمانے لگے کہ یہ علی گڑھ کی روایت کے خلاف ہے۔ (مطلب یہ کہ عمر میں چھوٹا آدمی بڑے آدمی کا ٹکٹ نہیں لے سکتا)۔

میرے دادا نے مجھے بتایا کہ میرٹھ سے بی۔ اے کے زمانے میں ڈاکٹر صاحب ایک ادبی رسالہ "معیار" شائع کرتے تھے۔ اس کے ۳۔ ۴ شمارے میرے پاس تھے جب وہ میں نے ان کو پیش کیے تو وہ بہت خوش ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب کے انتقال کی خبر جب مجھے سندھ یونی ورسٹی میں ملی تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا میں نے فوراً ان کے گھر فون کر کے تصدیق کی تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون٥

شام کو عصر کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب کی نماز جنازہ میرے دادا نے اپنی بنائی ہوئی مسجد واقع اولڈ کیمپس میں پڑھائی۔ نماز کے بعد ان کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی آنسو رواں تھے اور زبان پر یہ الفاظ تھے کہ "مجھے بڑا قلق ہوا"۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

آمین۔ ثم۔ آمین

Marfat.com

محمد راشد شیخ

ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم

کچھ یادیں۔ کچھ باتیں

جمعہ 16 فروری کی رات حیدر آباد سے برادرم رفیق احمد خاں (استاد، شعبہ اردو جامعہ سندھ) کا فون آیا اور یہ افسوس ناک خبر اعصاب پر بجلی بن کر گری کہ سابق صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ و مدیر مجلہ "تحقیق" ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب ہم میں نہیں رہے (اناللہ وانا الیہ راجعون)

ڈاکٹر صاحب حسب معمول نماز فجر کے بعد لطیف آباد نمبر 6 میں واقع اپنے گھر میں مطالعے میں مصروف تھے کہ دورہ قلب کے نتیجے میں ہم سے اتنی دور چلے گئے جہاں جلد یا بدیر سبھی کو جانا ہے۔

جن لوگوں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم سے کبھی زندگی میں خواہ ایک بار ہی ملاقات کی ہو، وہ شہادت دیں گے کہ ایسی علم دوست، دین دار، سادگی پسند اور مہمان نواز شخصیتوں سے ہمارا معاشرہ خالی ہوتا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے مل کر ذہن میں جو پہلا تاثر پیدا ہوتا تھا وہ آپ کی بلند اخلاقی اور شرافت نفس کا تھا اور یہی وہ شرافت اور اخلاق تھا جس کی انھوں نے قیمت بھی ادا کی۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارا معاشرہ جس اخلاقی پستی تک پہنچ گیا ہے وہاں ایسے شریف اور بااصول اساتذہ کے لیے مشکلات ہی مشکلات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس حقیقت سے بہ خوبی واقف تھے اور انھوں نے مردانہ وار ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا مگر علم کی شمع کو کبھی بجھنے نہ دیا۔ جامعہ سندھ شعبہ اردو کے مجلے "تحقیق" کا آغاز ڈاکٹر صاحب ہی نے 1986ء میں شعبہ جاتی مجلے کے طور پر کیا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں اپنے اعلیٰ

Marfat.com

معیار اور ڈاکٹر صاحب کی محنت کی بدولت علمی دنیا میں "تحقیق" نے اپنا وقار قائم کر لیا اور برصغیر پاک و ہند کے نام ور فضلاء کا قلمی تعاون حاصل کر لیا۔ اس مجلّے کے گزشتہ دو شمارے ہزار ہزار صفحات سے زائد ضخامت رکھتے ہیں۔ ان دو شماروں میں ڈاکٹر صاحب نے منسوبات کی تحقیق سے متعلق جتنا مواد جمع کر دیا ہے وہ کہیں یک جا دست یاب نہیں۔ اس مجلّے کے مستقل لکھنے والوں میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ، ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ، ڈاکٹر مختار الدین احمد، ڈاکٹر نذیر احمد و دیگر فضلائے عصر شامل ہیں۔ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ حیدر آباد میں اب نہ تو اتنی علمی شخصیات موجود ہیں اور نہ ہی کتب خانے مگر یہ صرف ڈاکٹر صاحب کی محنت اور لیاقت تھی کہ "تحقیق" جیسا معیاری مجلّہ شائع کیا جس کی فکر کا برصغیر میں کسی اور جامعہ سے مجلّہ موجود نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے علمی اشتغال کا یہ عالم تھا کہ دن رات کسی ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کیے بغیر تحقیق کے لیے محنت کرتے۔ فرماتے تھے کہ "جب رات کو آنکھ کھل جاتی ہے تو اپنے کمرے میں آکر "تحقیق" کے لیے کام کرتا ہوں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے"۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ لاکھوں کے شہر حیدر آباد میں اب کوئی شخص نظر نہیں آتا جو ڈاکٹر صاحب کے بعد "تحقیق" کو اسی معیار پر جاری رکھ سکے۔

راقم الحروف کا ڈاکٹر صاحب سے غائبانہ تعارف برسوں سے تھا اور ابتدائی عمر کے پندرہ برس ڈاکٹر صاحب کی جائے اقامت کے نزدیک ہی قیام رہا مگر باقاعدہ تعارف تقریباً سات برس قبل ہوا۔ پہلی ملاقات ہی میں ڈاکٹر صاحب کی سادگی، شرافت، پرہیزگاری اور بلند اخلاق کا گہرا تاثر قائم ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی رہائش کے نزدیک ہی جامع مسجد واقع ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو جب بھی دیکھا گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر پہنچ کر کتابوں کے درمیان علمی کاموں میں مصروف پایا۔ معلوم ہوتا ہے علم ہی ڈاکٹر صاحب کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اوائل عمری سے ہی علمی اشتغال میں مصروف ہو چکے تھے۔ آج سے نصف صدی قبل میرٹھ سے نکلنے والے ادبی پرچے "معیار" کی ادارت ڈاکٹر صاحب نے اپنے ہاتھ میں لی تھی اور 1954ء میں اس پرچے کا یادگار "تنقید نمبر" بھی شائع فرمایا۔ یہ خاص نمبر 1995ء میں "معیار" کے اشاریے کے ساتھ حیدر آباد سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر نجم صاحب کو اپنے نام ور استاد حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ کا مکمل تعاون اور اعتماد حاصل تھا۔ حضرت ہی کی زیرِ نگرانی ڈاکٹر صاحب نے "دبستانِ دلی کی نثر" کے عنوان سے مقالہ علمیہ لکھا اور 1969ء میں Bh.D کی ڈگری جامعہ سندھ سے حاصل کی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب شعبہ اردو، جامعہ سندھ سے وابستہ ہو گئے اور تا وقت آخر شعبے سے تعلق برقرار رکھا۔ ڈاکٹر صاحب کے علمی کاموں میں آپ کے مقالات کا مجموعہ "مطالعات" اور منتخب فارسی اشعار کے منظوم تراجم پر مشتمل مجموعہ "دو آہنگ" شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی ایام طالب علمی میں جن جن معروف شخصیات سے ملاقاتیں رہیں ان کا ذکر بڑی محبت سے فرماتے تھے۔ راقم نے متعدد مرتبہ آپ کی زبان سے لاہور کے معروف تاجرِ کتب نادرہ مولوی شمس الدین مرحوم کا ذکرِ خیر سنا۔ ڈاکٹر صاحب، مولوی صاحب کی محبت اور علمی سرپرستی کے واقعات بڑے والہانہ انداز سے بیان فرماتے۔ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی پسند کی نادر کتابیں مولوی صاحب انتہائی کم قیمت پر یا بلا قیمت دے دیتے اور فرماتے کہ ابھی تم طالب علم ہو، جب کمانے لگو تو رقم دے دینا۔ مولوی صاحب

Marfat.com

مرحوم کا یہ رویہ تقریباً تمام لوگوں کے ساتھ تھا۔ افسوس ہے آج پاکستان میں تاجر کتب تو بہت ہیں مگر مولوی شمس الدین مرحوم جیسا کوئی نہیں۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کا انتقال راقم الحروف کے لیے ذاتی سانحے سے کم نہیں۔ گزشتہ سات دہوں کے دوران بیسویں مرتبہ حیدر آباد جانا ہوا اور ہر مرتبہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا۔ ان ملاقاتوں میں متعدد علمی و ادبی نکات زیرِ گفت گو رہے۔ راقم نے کبھی ڈاکٹر صاحب کی زبان سے کوئی ہلکا یا اخلاق سے گرا ہوا لفظ نہ سنا۔ آپ کی پاکیزہ شخصیت کی جھلک آپ کی گفت گو میں بھی محسوس ہوتی۔ جو بات دل میں ہوتی وہی زبان پر۔ اگر کسی شخص پر تنقید بھی کرتے تو وہی شریفانہ اور علمی انداز سے۔ راقم الحروف گزشتہ برسوں اپنی کتاب "تذکرۂ خطاطین" کی تیاری کے دوران متعدد مرتبہ حاضر خدمت ہوا اور کئی معاملات میں آپ سے رہ نمائی حاصل کی۔ جب کتاب طبع ہو چکی تو ایک نسخہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بھی پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب کتاب کے عمدہ معیار سے بے حد خوش تھے چناں چہ آپ نے "تحقیق" کے شمارہ نمبر 13-12 میں کتاب پر تبصرہ لکھا اور راقم کی ان الفاظ میں حوصلہ افزائی فرمائی۔

"اسے (تذکرہ خطاطین کو) گزشتہ چند برسوں میں پاکستان سے شائع ہونے والی چند خوب صورت ترین کتابوں میں شامل کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مولف نے کتاب خوش ذوقی سے مرتب کی ہے اور طابع کے اعلیٰ معیار کے ساتھ طبع کی ہے۔

مولف کتاب جناب محمد راشد شیخ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں۔ فنِ خطاطی سے خاص دل چسپی ہے۔ وہ فن کی تاریخ سے بہ خوبی واقف ہیں اور عملاً اس فن میں مہارت بھی رکھتے ہیں ۰۰۰ بہ خوبی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کتاب مرتب کرتے وقت حصول معلومات کے لیے کیا کچھ محنت کی ہے اور تحقیق کے تقاضوں کو کس قدر جاں فشانی سے پورا کیا ہے۔ اس کام یاب پیش کش پر مولف اور طابع و ناشر کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے"۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب اب وہاں جا چکے ہیں جہاں ہم سب کو بالآخر جانا ہے۔ ان جیسے علم، اخلاق، خلوص، مہمان نوازی اور اعلیٰ کردار کے حامل اساتذہ اب خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ جو یہاں آیا ہے بالآخر اسے جانا ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ حیدر آباد شہر میں علم کی جو شمع حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہ نے تقریباً نصف صدی قبل جلائی تھی اور جسے ڈاکٹر نجم الاسلام نے تمام عمر فروزاں رکھا، اب اس کام کو آگے بڑھانے والی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

(ڈاکٹر نجم الاسلام کے انتقال کے بعد شائع ہونے والا پہلا مضمون۔
بہ شکریہ، فرائیڈے اسپیشل، روزنامہ "جسارت" کراچی۔
۲۳ فروری ۲۰۰۱ء)

Marfat.com

شاہد انجم :

وہ لوگ جن کے لیے زندگی بدلتی ہے

(استاد مکرم، ڈاکٹر نجم الاسلام کی یاد میں)

وہ فروری کی ۳۰ اور منگل کا روز تھا۔ دن کے بارہ بجا چاہتے تھے۔ راقم الحروف، حسب معمول اپنی کلاس ختم کر کے شعبہ ا۔۔ میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ کالج دفتر کے چپراسی نے مجھے ایک چٹ پکڑاتے ہوئے کہا کہ "آپ کا ٹیلیفون آیا تھا"۔ چٹ پر میرے لیے یہ پیغام درج تھا:

" Dr. Nadeem-ul-Islam has Expired"

فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ندیم الاسلام صاحب کون ہیں جن کے انتقال کی خبر مجھے دی گئی ہے۔ میں اسی غور و فکر میں غلطاں و پیچاں کالج سے گھر جانے کے لیے نکلا۔ راستے میں اچانک ایک خیال نے مجھے دہلا کر رکھ دیا کہ کہیں انتقال کی یہ خبر استاذی گرامی جناب ڈاکٹر نجم الاسلام کی تو نہیں، جو شاید ٹیلی فون پر غلطی سے ندیم الاسلام کے نام سے سن گئی ہو۔ اس خیال کا ذہن میں آنا تھا کہ دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ زور زور سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ قدرے ڈرتے ڈرتے میں نے اپنی موٹر سائیکل کا رخ ڈاکٹر صاحب کے کاشانے کی جانب کر دیا جو کم از کم میرے لیے تو کاشانۂ اصغر کا درجہ رکھتا تھا۔

حریم حسن معنی ہے جگر کاشانۂ اصغر
جو بیٹھو باادب ہو کر تو اٹھو باخبر ہو کر

دل میں دعا کرتا جاتا تھا کہ خدا کرے یہ خیال غلط ہو مگر وہی ہوا۔ سارے راستے جس کا دھڑکا

Marfat.com

ہوا تھا۔ فاضل تحقیق، استاذی جناب ڈاکٹر نجم الاسلام کے گھر کے سامنے شامیانہ تنا ہوا تھا، جس پر نظر پڑتے ہی لبوں سے بے اختیار انا للہ وانا الیہ راجعون کے کلمات نکل گئے۔ شامیانے میں دریاں اور چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ابھی لوگ نہیں آئے تھے صرف چند اعزہ اور دو ایک پڑوس کے افراد موجود تھے۔ میں نے استاد مکرم کے چھوٹے بھائی ناصر الدین صاحب سے جو بے حد علیل تھے اور جنھیں دو آدمی پکڑے سہارا دیتے ہوئے اندرونی کمرے سے برآمدے میں لا رہے تھے، بڑھ کر بہ چشم نم تعزیت کی۔

ناصر الدین صاحب کو باہر شامیانے میں کرسی پر بٹھا کر ڈاکٹر صاحب کے برادر نسبتی جناب بدر الدین فاروقی کے صاحبزادے جمشید فاروقی صاحب سے جو ڈاکٹر صاحب کے گھر میں اوپر کی منزل پر رہتے ہیں اور جن کے بچوں سے ڈاکٹر صاحب کا دل لگا رہتا تھا۔ تعزیت کی۔ غسل اور تدفین کے انتظامات کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ موصوف سب انتظام کر چکے ہیں۔

میں بوجھل قدموں سے چلتا ہوا شامیانے سے باہر آگیا۔ مجھے یوں افسردہ اور گم سم کھڑے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سید جاوید اقبال صاحب اور رفیق احمد خاں بھی پہنچ گئے۔ دیر تلک آپس میں گلے لگ کر غم بانٹنے کی کوشش کرتے رہے۔ کچھ طبیعت ہلکی ہوئی تو معاً ہمیں خیال آیا کہ باقی لوگوں کو بھی اطلاع دینی چاہیے۔ چنانچہ سید جاوید اقبال صاحب اور راقم الحروف اسی غرض سے اپنے اپنے حلقہء احباب میں خبر کرنے روانہ ہو گئے۔ جس نے بھی یہ خبر سنی سناٹے میں آگیا۔

ڈاکٹر صاحب کے انتقال کی خبر شہر بھر کے علمی وادبی حلقوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ ان حلقوں میں تو صف ماتم بچھنا ہی تھی مگر میں نے ان لوگوں کو بھی بہت رنجیدہ وملول پایا جن لوگوں کا علم وادب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں۔ حالاں کہ ڈاکٹر صاحب ایک اعتبار سے گوشہ نشیں تھے اکثر اپنے علمی کاموں میں مشغول رہتے یا پھر انھی کاموں کے لیے باہر نکلتے تھے۔

آپ کے پاس فضول گوئی یا ملکی سیاست پر تبصرے کرنے کے لیے کوئی وقت نہ ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی کچھ وقت کے لیے ہی سہی کسی بھی شعبہء زندگی سے متعلق شخص کا آپ کی ذات گرامی سے تعلق ہوا نہیں اور وہ آپ کی صاف گوئی، معاملہ فہمی، حسن اخلاق، دیانت داری اور منکسر المزاجی کا گرویدہ ہوا نہیں۔

شاید یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے جنازے میں آپ کے وسیع حلقہء تلامذہ اور شہر کی سربر آوردہ علمی وادبی شخصیات کے ساتھ ساتھ بے شمار عام لوگ بھی بہ چشم پر آب شریک ہوئے۔ شاید ایسی ہی ہستی کے لیے شاعر نے کہا ہے:

تمام آنکھوں میں آنسو ہیں، کیسے ہوتے ہیں
وہ لوگ، جن کے لیے زندگی بدلتی ہے (محبوب خزاں)

نماز جنازہ کے لیے اس فاضل تحقیق کی میت کو اولڈ کیمپس (جامعہ سندھ) لے جایا گیا۔

Marfat.com

جنازے کے ساتھ احاطہء قدیم میں داخل ہوتے وقت مت پوچھیے کہ میرے دل پر کیا گزری۔ وہ ۹۰_۱۹۸۹ء کا زمانہ تھا جب راقم الحروف ایم۔اے اردو کے سلسلے میں کسب علم کے لیے یہاں روز آیا کرتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب صدر شعبہء اردو تھے۔ چنانچہ اولڈ کیمپس میں شام کی کلاسوں میں روزانہ نہیں آتے تھے۔ لیکن اقبالیات پر نیز دیگر موضوعات پر خصوصی لیکچرز دینے آپ گاہے بہ گاہے تشریف لاتے تھے۔ تمام طلبہ وطالبات کس شوق سے ڈاکٹر صاحب کے لیکچر سنا کرتے تھے۔

استاد مکرم کے قابل ناز تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے جن کا تفصیلی تذکرہ بجائے خود ایک مستقل مقالے کا متقاضی ہے۔ لیکن فی الوقت استاد مکرم کے حوالے سے راقم الحروف کی یادوں سے وابستہ جن چند قابل ذکر ہم جماعتوں کے نام بے اختیار نوک قلم پر آگئے ہیں ان میں: سید سجاد حیدر، رضوان احمد، گل محمد، صفدر علی خان، رفیق احمد خان، مسیح الدین اعجاز عثمانی، رفعت احمد شیخ، محمد صادق، مرزا سعید بیگ، زبیر مجددی، مرغوب احمد اور افسر خان شامل ہیں اور بھی کئی ہم جماعتوں کی تصویریں نظر کے سامنے گھوم رہی ہیں لیکن ان کے نام حافظے سے محو ہو چکے ہیں۔ ذہن کے پردے پر مرتسم ہوتے ہوئے خیالات کسی فلم کی مانند دکھائی دیتے رہے۔ پرانی یادیں امنڈ امنڈ کر آرہی تھیں میں لرزیدہ و نمدیدہ نماز عصر کے انتظار میں تھا۔ میں نے مجمع پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تو کتنے ہی افسردہ چہرے مجھے نظر آئے جو استاد مکرم کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ اور سر جھکائے چپ کھڑے تھے۔

کہ سر جھکائے کھڑے چپ ہیں سب قرینے سے (جرأت)

ان حاضرین میں: اکٹر ظفر اقبال، پروفیسر حبیب ارشد، پروفیسر انوار احمد زئی، پروفیسر حمید الدین شیخ، پروفیسر عتیق احمد جیلانی، پروفیسر سید جاوید اقبال، پروفیسر رفیق احمد خاں، پروفیسر خلیل احمد، پروفیسر ایاز الدین، ہیڈ ماسٹر سید مشتاق علی، قدیر الاسلام، مشتاق احمد خاں، پروفیسر محسن عطا، پروفیسر انعام الحق، پروفیسر مسرور احمد زئی، افضال عظیم، رفیق ہاشمی، محمد عقیل شاد اور عتیق محمد مئؤ جیسے میرے سب ہی شناسا تو بہ دل ریش و بہ دل فگار موجود تھے۔

ذہن کے پردے پر خیالات کی یورش جاری تھی۔ ابھی نماز عصر میں کچھ وقت باقی تھا۔ میں آنکھیں بند کیے پھر یادوں کے جھروکوں سے استاد مکرم کو دیکھنے لگا۔ کل ہی کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی ہمت افزائی پر ہم نے کس شوق سے یوم غالب منایا تھا۔ مقالات و مضامین کس درجہ شوق سے پڑھے اور سنے گئے تھے اور جنھیں بعد میں استاد مکرم کی تحریک پر ہی "مضامین یوم غالب" کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔

منظر بڑی تیزی سے بدلتے جارہے تھے۔ میں بے حس و حرکت آنکھیں بند کیے دیکھتا رہا وہ بیت بازی کے مقابلے، پی ایچ ڈی کے سیمینار، مذاکرے، وہ ملک بھر کی جامعات کے مابین ہونے والے مقابلوں کے انعام یافتہ طلبہ کے اعزاز میں منعقدہ خصوصی تقریبات، جن کی صدارت استاد مکرم فرمایا کرتے تھے،

Marfat.com

کے مختلف مناظر میری نظروں کے سامنے پھرنے لگے یا یوں کہیے کہ ان تمام مناظر کی ایک فلم سی میری نظروں کے سامنے چلتی گئی۔ یہ سب استاد مکرم کی سرپرستی اور ہمت افزائی تھی جن کے دم قدم سے شعبۂ اردو بڑا فعال تھا، اور جن کی تحریک نے شعبے کے اساتذہ اور طلبہ ہر دو کے اندر صحت مند مقابلے کی اسپرٹ پیدا کی، ان میں مطالعے کا شوق پروان چڑھایا اور انھیں تحقیق کی جانب راغب کیا۔

ایسا مہربان استاد، زبان و ادب کا ایسا بڑا عالم، ایسا شفیق انسان اب کاہے کو نظر آئے گا: ع

اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں

یوں اچانک مسند تحقیق کے ویران ہو جانے پر اپنے دلی جذبات کی ترجمانی کے لیے ناظر کے شعر کو حسب حال پاتا ہوں:

افسوس ہم سے چھینے بے مہری قضا نے
وہ علم کے دفینے، وہ عقل کے خزانے (حسرت)

یا پھر جذبی کے اس مصرعے کو آئینہ جانتا ہوں: ع

یہ وہ ہیں جن سے فروزاں تھے آگہی کے چراغ

نماز عصر کے بعد جنازے کی نماز کے لیے صفیں بنائی گئیں پندرہ یا اس سے بھی زیادہ صفیں بنیں سب شرکائے جنازہ "آہٹ پہ کان در پہ نظر" کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ کہ استاد مکرم کے مرشد معنوی، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ، مجددیہ کے زیب سجادہ، مسند علم و فضل کی آبرو قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ تشریف لے آئے۔ نماز جنازہ پڑھائی۔ دعائے خیر ہوئی۔ میں اپنے خالی ہاتھوں کو تک رہا تھا۔ میرے ذہن نے اپنا زاویہ تبدیل کیا اب میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں جیسی عبقری شخصیت کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ جس طرح قدرت نے علامہ شبلی نعمانی کو سید سلیمان ندوی جیسے شاگرد سے نوازا تھا اسی طرح فاضل بے نظیر قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کو استاذی جناب ڈاکٹر نجم الاسلام جیسے محقق شاگرد سے نوازا۔ بلاشبہ استاد مکرم کا شمار ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے عزیز ترین اور قابل ترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔

دعائے خیر کے بعد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اپنے ہونہار اور قابل فخر شاگرد کے چہرے پر بادیدۂ تر و با چشم پرنم ایک رخصتی نگاہ ڈالی۔ مجھے ضبط کا یارا نہ رہا۔ اشکوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے میں نے بھی استاد مکرم کا آخری دیدار کیا:

کچھ ایسی ٹھیس لگی انتہائے ضبط پہ بھی
ٹپک پڑی مری حسرت مری نگاہوں سے

میں استاد مکرم کی شبیہہ آنکھوں میں محفوظ کیے ایک طرف کو جا کھڑا ہوا۔ یادوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ مجمع میں ہلچل سی مچ گئی:

Marfat.com

ہلی جاتی ہے دنیا رنگ مجلس میں تغیر ہے
یہ دامن جھاڑ کر کون اٹھ گیا ہے آج محفل سے (جگر)

معلوم ہوا کہ میت قبرستان کے لیے روانہ ہو رہی ہے۔ ہر کوئی کاندھا دینے کو بے چین تھا۔ میت، بس کے ذریعے لطیف آباد، میر فضل ٹاؤن کے قبرستان لائی گئی۔ تدفین کے وقت پروفیسر حضور احمد سلیم، محمود صدیقی، فریدالدین، عشرت علی خان، ڈاکٹر رئیس احمد، ڈاکٹر اسلم راجپوت اور ڈاکٹر خورشید مصطفٰی سمیت متعدد اہم شخصیات مٹی دینے کو موجود تھیں۔ حافظ منیر احمد خاں نے تدفین کے بعد ایصال ثواب کے لیے دعائے خیر کرائی۔ بروز جمعرات بعد نماز ظہر سوئم کا اعلان کیا گیا۔ میں دل گرفتہ بڑی حسرت سے اس خاک کے ڈھیر کو دیکھتا رہا جس میں لوگوں نے بقول خزاں حسن و بصیرت کے خزینے کو دفن کر دیا تھا:

ع اس خاک میں تھے حسن و بصیرت کے خزینے (عزیز لکھنوی)

استاذی مرحوم ایک وضع دار انسان تھے۔ وہ شرافت و نجابت کی جیتی جاگتی مثال تھے۔ انھیں اگلی شرافتوں کا نمونہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

آں مرحوم اپنے ہر ملنے والے سے تواضع اور انکساری سے پیش آتے۔ یوں تو بچوں سے تقریباً سب ہی شفقت سے پیش آتے ہیں مگر میں نے ڈاکٹر صاحب کو جس والہانہ انداز میں بچوں کے ساتھ مہر آمیز طریقے سے پیش آتے دیکھا ہے اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

یوں کہنے کو ڈاکٹر صاحب کی کوئی اولاد نہیں تھی مگر ان کی شفقت کو دیکھ کر کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ اس نعمت سے محروم ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کو میں نے بارہا ان کے چھوٹے بھائی ناصر صاحب کی اولاد کے علاوہ ان کی اہلیہ محترمہ کے بھتیجے کے بچوں نیز پڑوس کے دیگر بچوں کو جس محبت و شفقت کے ساتھ کھلاتے بہلاتے دیکھا ہے۔ وہ کم ہی کسی کو دیکھا ہے۔

بعض اوقات دیکھا گیا کہ کچھ لوگ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ علمی موضوعات پر گفتگو ہو رہی ہے کہ اچانک کوئی پڑوس کا بچہ جو ڈاکٹر صاحب سے مانوس ہے کھیلتا کودتا کمرے میں آجاتا ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب قطع نظر اس سے کہ کتنی اہم گفتگو فرما رہے تھے، اس بچے کی دل جوئی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جب تک وہ بچہ مطمئن ہو کر اپنے کھیل کود میں نہ لگ جائے استاد مکرم اسی کی طرف ملتفت و متوجہ رہتے۔ شاگردوں کے علاوہ استاد مکرم کے جن چند ملاقاتیوں کو میں نے آپ سے گفتگو کرتے یا اخذ و استفادہ کرتے دیکھا ہے ان میں سے فی الوقت ڈاکٹر احمر رفاعی، انجینئر راشد شیخ، پروفیسر سید شفقت رضوی اور صبیح رحمانی کے نام یاد آرہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے مزاج میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ آپ نے نہایت سنجیدہ اور متین طبیعت پائی تھی۔ بات چیت کا انداز بڑا باوقار تھا۔ نپی تلی گفتگو فرماتے۔ ایک ایک لفظ صاف اور شستہ زبان میں فصیح تلفظ سے

Marfat.com

ساتھ اپنے مخصوص اور دل نشین لہجے میں ادا کرتے۔ طالبانِ تحقیق کی خوب حوصلہ افزائی کرتے، ہمت بندھاتے، حوصلہ بڑھاتے اور ہر طرح سے مدد دینے کو تیار رہتے۔ خود سخت کوش تھے چناں چہ کم کوشی کو نہایت برا جانتے تھے۔ اپنے کام کی دھن میں مگن رہنے والے، ان کے بشرہ سے ہی "نشاط کار" کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ نام و نمود سے کوسوں دور۔ سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی سب سے الگ، طبعاً، اقبال کے اس مصرعے کی ہو بہو تصویر:

ع نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

راقم الحروف نے جب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کے افکار و خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے "مجلس" قائم کی اور اس کے سالانہ یادگاری تحقیقی مجلہ "المصداق" حیدر آباد کا اجراء کیا تو استاد مکرم بہت خوش ہوئے۔ مجھ سے فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، عہد اکبری کے بلند پایہ محقق و محدث اور میرے پسندیدہ عالم ہیں۔ ان سے متعلق بعض نادر و نایاب کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔ پھر انھوں نے مجھے منشی برکت علی حقی دہلوی کی "مرآۃ الحقائق" دکھائی جو ایک نادر و نایاب کتاب ہے اور ۱۹۰۴ء میں مطبع عزیزی رام پور سے طبع ہوئی تھی۔

الغرض آپ نے اپنے بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ وہ میرا حوصلہ بڑھاتے اور شوق دلاتے تھے کہ اس رسالے کو جاری رہنا چاہیے۔

ایک بار دوران ملاقات میں نے حضرت شیخ محدث علیہ الرحمہ کے مشہور نعتیہ قصیدے کا، جو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا گیا تھا، ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا ہی اچھا ہو جو آپ اس کا اردو ترجمہ فرما دیں، سن کر مسکراتے ہوئے گویا ہوئے کہ اس کا منظوم اردو ترجمہ کسی زمانے میں کر چکا ہوں، اور غیر مطبوعہ ہے آپ کے رسالے کے لیے پیش کر دوں گا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ اگلی ملاقات میں ڈاکٹر صاحب نے "شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فارسی نعتیہ قصیدے مشتمل بر ۵۹ ابیات کا منظوم ترجمہ" مجھے عنایت کیا جسے راقم نے "المصداق" حیدر آباد کی دوسری اشاعت میں چھاپا تھا۔ اس منظوم ترجمے کے چند اشعار مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتا ہوں:

دلا دم بھر کو آ، ہستی سے اپنی ترک دعویٰ کر
تو صورت پر نہ ڈال آنکھ اور نظر در عین معنی کر
نہ پہنچا راز اس کا غیر کو تو، بلکہ خلوت میں
خفی ذکر اس کا ایسا کر کہ دل تک سے بھی اخفا کر
اگر چاہے زباں کھولے کبھی اور رہ سخن کی لے
ثنائے پادشاہِ یثرب و سلطان بطحا کر

Marfat.com

نہ کہہ اس کو خدا از بہر امر شرع و حفظ دین
دگر ہر وصف جو چاہے اُسے مدحت میں انشا کر
غم ہجراں سے خستہ ہو رہا ہوں یا رسول اللہ
جمال اپنا دکھا احساں جانِ زار شیدا کر
جہاں تاریک ہے ظلم سیہ کاراں کی ظلمت سے
منور ایک عالم پھر بفیضان تجلی کر
زیاں کاروں کو بازار ہوا سے زر کا سودا ہے
تو اس بازار کی گرمی و رونق توڑ ، رسوا کر
محب ہوں آل کا اصحاب کا تیرے جو میں حیراں
کرم کر آج بھی مجھ پر ، کرم پھر روزِ فردا کر

ڈاکٹر صاحب کو فارسی سے اردو میں ترجمے کے فن پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ ترجمے نثری ہوں یا منظوم دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ترجمے کی زبان اس قدر رواں اور شستہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والے کو اکثر اوقات ترجمے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے منظوم تراجم پر مشتمل کتاب "دو ہنگ" لائق مطالعہ ہے۔

مرحوم استاد مکرم ڈاکٹر نجم الاسلام کا تعلق میرٹھ سے تھا۔ آپ نے اپنی علمی زندگی کے آغاز میں ہی ایک اہم علمی وادبی پرچہ "معیار" (میرٹھ) کے نام سے جاری کیا۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۶ء تک آپ اس رسالے کی ادارت سے وابستہ رہے اس دوران آپ نے ۱۹۵۱ء میں ایک تنقید نمبر اور ایک خصوصی نمبر بھی نکالا تھا۔ (بحوالہ حرف ناشر تنقید نمبر ماہنامہ معیار میرٹھ عکسی اشاعت دوم ۱۹۹۵ء حیدر آباد سندھ) مرحوم صدرالدین فاروقی، صدر ادارۂ علمی حیدر آباد جو ڈاکٹر صاحب کے برادر نسبتی بھی تھے۔ لکھتے ہیں کہ :

"تنقید نمبر غیر معمولی طور پر ایک کامیاب کوشش تھی۔ غالباً نگار کے تنقید نمبر (۱۹۴۶ء) کے بعد یہ پہلی کوشش تھی، اور آخر بھی کیونکہ اس کے بعد اس نوعیت کا کوئی تنقید نمبر چھپا ہو، کم سے کم ہمارے علم میں تو نہیں۔ اس ماہنامے کے متعدد اہل قلم آج مشاہیر میں سے ہیں اور اس تنقید نمبر کے مندرجات ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ اس کی عکسی طباعت پیش کی جاتی ہے۔" (حرف ناشر، بحوالہ ایضاً)

اس تنقید نمبر کی عکسی اشاعت میں "منتخبات شارۂ خصوصی اور اشاریے" کا بھی اہتمام کیا گیا ہے جس کی بناء پر اسے واقعی ایک اہم دستاویز کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کا ایک قابل ذکر مقالہ "اردو ادب پر برصغیر کی اسلامی احیائی تحریکات کے اثرات کا جائزہ" ہے جو "[illegible]ین وادب" کے نام سے ۱۹۸۹ء میں ادارۂ اردو حیدر آباد سندھ سے شائع ہوا۔ یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۶۰ء میں ایم اے اردو کے لیے قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ کی نگرانی میں لکھا تھا۔

۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر صاحب نے رسالہ تحقیق کا ڈول ڈالا۔ ڈاکٹر صاحب کی شبانہ روز محنت اور خلوص و لگن سے اس رسالے نے نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون پاکستان بھی اردو کے تمام علمی و تحقیقی جرائد میں نہایت بلند اور معتبر مقام حاصل کر لیا ہے۔ اب تک اس کے تیرہ ضخیم شمارے نکل چکے ہیں۔ ان شماروں پر پاک و ہند کے اہم رسائل نے اپنے تحقیقی و تجزیاتی تبصرے شائع کیے ہیں اور ڈاکٹر نجم الاسلام کی محنت، سلیقہ مندی اور تحقیقی و تنقیدی شعور کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ایسے تمام تبصروں اور مضامین کو عزیزم پروفیسر انعام الحق عباسی یکجا کر کے کتابی صورت میں لایا چاہتے ہیں۔

مجلہ تحقیق کے توسط سے جامعہ سندھ اور اس کے شعبہ اردو کو جس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ہے وہ متعلقین جامعہ سندھ کے لیے باعث فخر ہے۔

علاوہ ازیں استاد مکرم کے بارہ علمی و تحقیقی مقالات کا ایک نہایت اہم مجموعہ "مطالعات" کے نام سے ۱۹۹۰ء میں ادارۂ اردو حیدر آباد سندھ سے شائع ہوا۔ اس مجموعے کے مقالات بقول استاذی مکرم "۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۹ء تک کی درمیانی مدت میں مجلات نقوش، صحیفہ، اورینٹل کالج میگزین اور تحقیق میں چھپے۔" (بحوالہ پیش لفظ از ڈاکٹر نجم الاسلام)

نقوش میں شائع ہونے والے ایک مقالے "فورٹ ولیم کالج" پر استاد مکرم کو نقوش ایوارڈ مل چکا ہے اور آپ کی خدمت میں مبلغ دس ہزار روپے بھی پیش کیے گئے۔ استاد مکرم نے ۱۹۶۹ء میں جامعہ سندھ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ آپ کے مقالے کا موضوع "دبستان دہلی کی نثر" تھا۔ یہ مقالہ بھی آپ نے قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ کی زیر نگرانی تحریر کیا تھا۔ جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ استاد مکرم کے مکتوبات علمی و تحقیقی معلومات کا خزانہ ہیں ان کی جمع آوری ایک اہم کام ہو گا۔ آپ کی علمی و تحقیقی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے لہٰذا راقم الحروف کے خیال میں تو آپ کی علمی و ادبی خدمات کے کئی پہلوؤں پر مقالات لکھوائے جا سکتے ہیں۔

استاد مکرم کی علمی خدمات کے اس سرسری تعارف اور اپنے جذب دل کو اس شعر پر ختم کرتا ہوں:

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے (اکبر)

(نوٹ) یہ مضمون ۱۵ فروری ۲۰۰۱ء گورنمنٹ کالج حیدر آباد کے شعبۂ اردو میں منعقدہ تعزیتی نشست کے موقع پر پڑھا گیا۔

Marfat.com

رفیق احمد خاں

فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

(بہ یاد ڈاکٹر نجم الاسلام)

استاذی ڈاکٹر نجم الاسلام کا سانحہ ارتحال ایک خاندان یا ایک ادارے کا نہیں، پوری قوم کا سانحہ ہے۔ اس سانحہ جاں کاہ پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے کہ ہم ایک نام ور محقق، شفیق و مہربان استاد اور پر خلوص انسان سے محروم ہو گئے۔ ہم بہت سوں کو اپنے اطراف دیکھیں گے، مگر ہماری آنکھیں ان جیسا دوسرا نہیں دیکھ سکیں گی۔

ڈاکٹر صاحب بہ ذاتِ خود ایک ادارہ تھے اور خود ہی اس کے منتظم اعلا، بلکہ سبھی کچھ۔ انتظام ایسا کہ ایک بڑا ادارہ بھی تمام تر سہولتوں کے باوجود ویسا انتظام نہیں کر سکتا۔ رکھ رکھاؤ کیسا! اور کس حسن و خوبی سے! دیکھنے والا عش عش کر اٹھے۔ زندگی اور کام میں ترتیب و تنظیم اور تشکیل و تعمیر کے سبھی مرحلے ان کے خلوص نیت، دیانت داری اور جاں فشانی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

اب وہ ہم میں نہیں ہیں تو انسان، استاد، صدر شعبہ، مدیر "معیار" و "تحقیق" اور گھر کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ان کی کیسی کیسی نادر و نایاب خوبیاں ابھر کر سامنے آ رہی ہیں۔ یہ خوبی ایک مثالی نقش ہے، ایسا نقش جو ان مول بھی ہے اور ان مٹ بھی۔ اب اگر اس رستے پر چلنا ہو جس رستے پر وہ نہایت ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے چلتے رہے اور ان جیسا رنگ ڈھنگ اختیار کرنا ہو تو ویسا ہی شوق، تڑپ، ان تھک جستجو، ویسی ہی شرافت، وضع داری اور پاک نفسی چاہیے۔ یہ محاسنِ جلیلہ دو چار روز کے نہیں اک عمر کی ریاضت کے ثمرات ہیں۔

انسانی تاریخ، ادبی تاریخ یا انسانی دلوں میں زندہ و پائندہ رہنے کے لیے کردار اور کارناموں کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب میں دونوں خوبیاں درجہ کمال پر تھیں بلکہ یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ان کا کردار بھی

Marfat.com

کسی کارنامے سے کم نہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ، ان کی شخصیت کا ایک ایک جزو اور ان کے کردار کی ایک ایک جھلک مثالی تھی۔ جب کہ کارناموں کی فہرست نہایت طویل اور دل چسپ ہے۔

میں ۹۰-۱۹۸۹ء میں جامعہ سندھ کے شعبہ اردو میں ایم اے کا طالب علم تھا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب صدر شعبہ تھے اور صرف نیو کیمپس میں کلاس لیا کرتے تھے۔ جب کہ اولڈ کیمپس میں کسی اہم لیکچر یا کسی تقریب میں شرکت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب صدارتی کرسی سے اٹھ کر ڈائس پر آتے تو کیا طالب علم اور کیا استاد سب ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے۔ صدارتی تقریر مختصر مگر نہایت جامع ہوتی۔ سبھی فیض یاب ہوتے۔

اپنے طالب علمی کے زمانے میں ہم طلبہ نے غالب کی یاد میں ایک تقریب کا انعقاد کیا تو اس کی صدارت بھی ڈاکٹر صاحب نے کی، جب کہ مہمانِ خصوصی محبی و مشفقی استاذی مادام رابعہ اقبال صاحبہ تھیں (اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم و دائم رکھے۔ آمین)۔ اس تقریب میں پڑھے جانے والے مضامین کو محترم عتیق احمد جیلانی نے مرتب کیا اور "مضامین غالب" کے نام سے شائع کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہماری اس طالب علمانہ کاوش کو سراہا اور اس اشاعت کا تذکرہ رسالہ تحقیق کے شمارہ ۵، ۱۹۹۱ء کے گوشے "رفتارِ تحقیق" میں کیا۔ وہ اس طرح کے علمی کاموں سے حد درجہ خوش ہوا کرتے تھے اور طلبہ کے دل بڑھایا کرتے تھے۔

اس طرح کی کتنی ہی تقریبیں اور ملاقاتیں آج یادوں کے نہاں خانوں سے پردۂ خیال پر جلوہ گر ہو رہی ہیں، ان تصویروں کو کاغذ پر منتقل کرنا آسان نہیں، ان میں رنگ بھرنے کے لیے بڑے حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے۔ ہر خیال کے ساتھ رنج والم کا طوفان سا امنڈتا محسوس ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نہ دل ساتھ دیتا ہے نہ دماغ۔

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اتر سکتی نہیں آئینہ تحریر میں

اسی زمانے میں ڈاکٹر صاحب یرقان کے شدید حملے کا شکار ہوئے تھے۔ ابتداء میں امریکن ہسپتال لطیف آباد میں داخل کیے گئے ازاں بعد آغا خان ہسپتال کراچی لے جانا پڑا اور وہیں سے شفایاب ہو کر گھر تشریف لائے۔

صحت یابی کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فریضہ حج ادا کیا اور ایک نظم لکھی جس میں کنایتاً اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک نئی زندگی دی اور انھوں نے اس زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایک ایک لمحے کو بہ طریقِ احسن برتا۔

ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ بھی ذیابیطس کی مریضہ ہیں اور اکثر طبیعت ناساز رہتی ہے۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو ڈاکٹر صاحب کو اپنے نزدیک سے ہلنے تک نہیں دیتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کو ان کا بہت خیال تھا۔ ان سے اپنی بیماری کا ذکر نہیں کرتے تھے کہ مبادا انھیں تکلیف ہو۔ جب وہ رات کو پر سکون سو جاتیں تو ڈاکٹر صاحب پچھلے پہر اٹھتے اور صبح ہونے تک دفتر میں کام کرتے۔ اپنے آرام سے وقت نکالتے اور کام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ کام ہی

Marfat.com

متاثر ہوا اور نہ گھر کے معاملات و معمولات میں کوئی فرق آیا۔ ہاں! صحت برابر متاثر ہوتی رہی، مگر انھیں اپنی نہیں اپنے کام کی فکر تھی۔ اہلیہ کی عیادت میں، تحقیق کے اشاعتی مراحل میں، میل ملاقات میں اور گھر کے دیگر مسائل میں کیسی کیسی پیچیدگیوں اور مشکلوں کا سامنا رہا ہو گا مگر نہایت پامردی سے ہر ایک کا مقابلہ کیا اور کبھی زبان پر حرفِ شکایت نہیں لائے۔

ڈاکٹر صاحب دل کے نہایت کم زور واقع ہوئے تھے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ یا سن کر ملول ہو جاتے۔ جن دنوں میری آپا (والدہ) اور باجی (بہن) کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوا ان دنوں میں بہت زیادہ رنجیدہ رہتا اور مجھ سے کچھ بن نہیں پاتا تھا۔ جب ڈاکٹر صاحب سے اپنی کیفیت کا اظہار کرتا تو بہت افسوس کرتے اور طرح طرح سے میری دل جوئی کرتے۔ اور ایسی تدابیر بتاتے جن سے غم کی شدت کم ہو سکے (میں محسوس کیا کرتا تھا کہ بے لوث محبت دنیا سے اٹھ گئی ہے تاہم ڈاکٹر صاحب کے رویے نے میرے اس خیال کو کسی قدر متزلزل کیا اور اپنے عمل سے میرے اندر اس امر کو راسخ کرنے کی کوشش کی کہ اخلاص ابھی ختم نہیں ہوا۔ اب ڈاکٹر صاحب کی موت نے مجھ میں پھر ایک غیر یقینی کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے)۔

ڈاکٹر صاحب کی شفقت و مہربانی میرے حصے میں اور زیادہ اس وقت آنے لگی جب میرا تقرر جامعہ سندھ کے شعبہ اردو میں بہ حیثیت استاد ہوا۔ اسی دوران ان سے بار بار ملاقات کے متعدد مواقع میسر آتے رہے۔ ملاقات کا ایک سلسلہ تو نہایت دیرینہ ہے کہ جب کبھی مجھے کوئی علمی و ادبی مسئلہ درپیش ہوتا تو دوڑا چھتا ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور وہ اپنے وسیع مطالعے، دقیقہ سنجی اور نکتہ فہمی کے سبب تشفی فرماتے۔ رسالہ "انشاء" سے وابستگی اشاعتی معاملات کی سوجھ بوجھ اور رسالہ تحقیق سے غیر معمولی دلچسپی کے باعث انھوں نے مجھے رسالہ "تحقیق" کی کچھ ذمے داریاں سونپنا شروع کی تھیں کہ زندگی نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ معاملات وہاں کے تہاں رہ گئے۔

اگرچہ رسالہ "تحقیق" کے تمام معاملات ڈاکٹر صاحب ہی کے ہاتھ میں تھے اور وہ خود ہی بہ حسن و خوبی انجام دیا کرتے تھے تاہم بعض معاملات میں مجھے شامل کرتے اور کہتے کہ بعد میں یہ چیزیں آپ کے بہت کام آئیں گی۔ میرے شوق اور محنت کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے رسالہ تحقیق کا " Incharge , Sale & Stock " مقرر فرمایا۔ میری یہ ذمے داریاں مادام فہمیدہ شیخ کی نگرانی میں تھیں اور مجموعی طور پر ہم دونوں ڈاکٹر صاحب کی ہدایات پر عمل کیا کرتے تھے۔ بحمد اللہ ہم نے یہ ذمے داریاں نہایت دیانت داری سے ادا کیں۔

رسالہ تحقیق کی پروف ریڈنگ اور تصحیحات کا کام ڈاکٹر صاحب کے مکان کے ایک کمرے میں ہوا کرتا تھا جس کا ایک دروازہ باہر بھی کھلتا ہے۔ اسی دروازے کے داہنے جانب انگریزی میں "Dr: Najm-ul-Islam" کے نام کی تختی آویزاں ہے۔ اسی دفتر تحقیق میں بعد نماز مغرب خلیق احمد جیلانی، شاد انجم، صفدر علی خاں، راقم اور عقیل احمد شاد جمع ہوا کرتے اور پروف اور تصحیحات کا کام کرتے۔ اکثر اوقات عقیل احمد شاد ہم سے پہلے وہاں موجود

Marfat.com

ہوتے، ڈاکٹر صاحب کو آدمی کی خوب پہچان تھی اور وہ اس سے کام لینا بھی جانتے تھے۔ انھوں نے ذمے داریاں تقسیم کر رکھی تھیں ان ذمے داریوں کے معاملے میں ہم اکثر ایک دوسرے سے لاعلم ہوا کرتے تھے۔

جن دنوں رسالے کی تیاری کے کام چل رہے ہوتے تھے ان دنوں اس دفتر میں بڑی رونق ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب بھی خوش خوش دکھائی دیتے۔ ہم خاموشی سے پروف ریڈنگ یا تصحیحات کا کام شروع کرتے اور ڈاکٹر صاحب تواضع کے انتظامات میں مصروف ہو جاتے۔ کبھی عقیل احمد شاد سے اشارۃً کہتے "بھئی تکلیف ہوگی" اور وہ ہمارے درمیان سے اٹھ کر انتظامات سنبھالتے۔ بہ صورتِ دیگر ڈاکٹر صاحب خود ہی خاموشی سے بازار چلے جاتے اور کچھ دیر بعد ایک بڑی سی ٹرے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے جس میں نہایت نفاست اور سلیقے قرینے سے ٹھنڈے مشروب کے گلاس، کیک پیس یا گرم گرم چائے کی پیالیاں اسی اہتمام کے ساتھ تشتریوں پر رکھی ہوتیں اور ساتھ میں بسکٹ یا کیک پیس ہوتے۔ اکثر خود نہیں کھاتے تھے۔ بہت ہوا تو ایک کپ پھیکی چائے کا پی لیا۔ پھر خود بھی پروف پڑھنے یا لکھنے میں مصروف ہو جاتے۔ اسی دوران ہم اردو اور فارسی اشعار کی پیچیدگیاں، مشکل الفاظ اور اصطلاحات کے معانی اور اسی نوع کے علمی مسئلے دریافت کرتے اور وہ اپنے نہایت اعلا حافظے (جسے کمپیوٹر کہا کرتے تھے) کے زور پر جواب دیتے، بہ صورتِ دیگر مسودہ اٹھاتے، یا لغت یا کوئی اور متعلقہ کتاب اٹھاتے اور ہمیں مطمئن کر دیتے۔ تصحیحات کے معاملے میں ڈاکٹر صاحب بہت زیادہ محتاط واقع ہوئے تھے (مجموعی طور پر ان کی پوری ہی زندگی ایک بلند پایہ محقق کی احتیاط پسندی کی عملی تصویر تھی) مجھے حکم تھا کہ کوئی رسالہ بغیر تصحیح کے فروخت نہ کیا جائے۔ کہا کرتے تھے کہ ہمیں رسالے کی فروخت بڑھانے کی اتنی خواہش نہیں ہے جتنی درست اور صحیح معلومات کے لوگوں تک پہنچانے کی ہے۔

ایک مرتبہ میں نیو کیمپس سے ڈاکٹر صاحب کی ڈاک میں آئے ہوئے رسالے لے کر ان کے مکان پر حاضر ہوا دورانِ گفتگو میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ آپ ایسی مصروفیت میں اتنے بہت سے رسالے کیسے پڑھ لیتے ہیں؟ کہنے لگے یہ مختلف جگہوں پر رکھے ہوئے ہوتے ہیں جیسا وقت اور جیسا موقع ہوتا ہے ایک نظر ڈال لیتا ہوں، مشمولات تو ضرور دیکھتا ہوں کام کی چیز ہو تو بالاستیعاب پڑھتا ہوں اور کنپٹی پر انگلی سے اشارہ کر کے کہتے سب کچھ اس کمپیوٹر میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ واقعتاً بارہا ہم نے ایسی باتیں ڈاکٹر صاحب سے دریافت کی ہیں جو بہت پرانی تھیں مثلاً کتابوں، جگہوں کے نام یا شخصیات کے بارے میں، اور انھوں نے فوراً بتا دیا۔

اس سلسلے میں ایک بات اور بتا چلوں کہ جب میں استاد ہو کر شعبے میں داخل ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب تک پوری ڈاک نہیں پہنچتی ہے اس کی کئی وجوہات تھیں، میں نے ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے یہ ذمے داری قبول کی اور اس کے بعد سے باقاعدگی سے تمام چیزیں ڈاکٹر صاحب کو پہنچانے لگا۔ اسی دوران میں نے ڈاکٹر صاحب سے رسالوں کے مطالعے کی اجازت لی یوں چند ایک روز کے مطالعے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو رسالے یا کتابیں پہنچا دیتا۔ ڈاکٹر صاحب میری اس عادت سے بہت خوش تھے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب شعبے میں آئے ہوئے تھے اسی دن ڈاکٹر صاحب کے نام چند کتابیں پنجاب سے آئی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب دفتر سے نکلنے لگے تو دروازے پر رک کر مادام فہمیدہ صاحبہ سے باتیں کرنے لگے، میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ سے کتابوں کا بنڈل لینا چاہا۔ ایک تو ادب ملحوظِ خاطر تھا دوسرے وہی مطالعے کا شوق۔ ڈاکٹر صاحب بھانپ گئے اور فہمیدہ شیخ صاحبہ سے کہنے لگے جانتی ہیں یہ بنڈل کیوں وصول کر رہے ہیں، انھیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ اچھا بھئی لے جایئے مگر جلد لوٹایئے گا۔ ہم ایک نظر دیکھ لیں پھر بے شک زیادہ دن کے لیے رکھ لیجیے گا۔ وہ کتابیں میں نے شام ہی کو پہنچا دیں۔

ایک مرتبہ کسی اور ذریعے سے ڈاک پہنچی تو رسالوں کے لفافوں کو ہند پا کر کہنے لگے افسوس ہوا کہ مطالعے کا شوق ختم ہوتا جا رہا ہے۔

کام تو انھیں عزیز تھے ہی مگر دوستی صحبتیں بھی بڑی عزیز تھیں۔ جب کئی دنوں تک ہم لوگ نہیں پہنچتے تو تنیق احمد جیلانی صاحب کو ٹیلی فون کر کے ہم سب کو دعوت دیتے اور دبے لفظوں میں شکایت بھی کرتے۔

ڈاکٹر صاحب گوشہ نشین ضرور تھے کیوں کہ جس طرح کا علمی کام وہ کر رہے تھے اس کے لیے گوشہ نشینی ضروری تھی تاہم اطراف وجوانب سے بے خبر نہیں تھے۔ نہ وقت سے لاعلم تھے۔ اخبار بھی پڑھتے تھے، ٹیلی ویژن بھی دیکھتے تھے۔ ایسی مجلسوں اور محفلوں سے دور رہتے تھے جن میں وقت ضائع ہوتا ہو۔ بھارت سے کانفرنسوں کے دعوت نامے آیا کرتے تھے انتقال سے چند روز پیش تر بھی کسی دعوت نامے کے جواب میں معذرت نامہ بہ ذریعہ فیکس روانہ کیا تھا ایک وجہ تو طبیعت کی ناسازی تھی اور دوسری یہ کہ کام کا حرج ہوگا اور کام کیا تھا رسالہ "تحقیق"۔ اسی گوشہ نشینی نے انھیں تنہائی کا شکار ضرور بنا دیا تھا۔ جسے محسوس کرتے تھے مگر اظہار میں تامل سے کام لیتے تھے۔ مسلسل سنجیدہ اور اعصاب شکن کام نے انھیں کمزور کر دیا تھا۔ ان نشستوں میں ڈاکٹر صاحب ہنس بول کر اپنی تھکن اتارا کرتے تھے۔

ملنے والا ان سے بلا ضرورت اور بلاوجہ ملنے سے ہچکچاتا تھا۔ اگرچہ کم آمیز اور کم گو شخص تھے تاہم ملتے تو نہایت تپاک اور خوش اخلاقی سے۔ محتاط اور محدود الفاظ میں گفتگو کرتے۔ ایک ایک لفظ نپا تلا سانچے میں ڈھلا ہوا، پر مغز و پر معنی۔ الفاظ کے مخارج صاف اور آہنگ بلند ہوتا یہی وجہ تھی کہ ملنے والے کو ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ یاد رہ جاتا اور وہ تادیر اس کا اثر محسوس کرتا اور وہ ملاقات ایک واقعہ بن جاتی۔ آج ایسے سیکڑوں واقعات لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر نقش ہیں۔

آہستہ اور جمے ہوئے قدموں سے چلتے، سنبھل کر سلیقے سے اٹھتے اور بیٹھتے۔ بلاوجہ دائیں بائیں دیکھنے سے گریز کرتے۔ نماز کے لیے مسجد بھی جاتے تو نگاہ نیچی اور نظر رستے پر ہوتی تھی۔ عموماً غور و فکر کی حالت میں دکھائی دیتے تھے۔ مگر کسی طرح بھی طبیعت میں روکھا پھیکا پن نہیں تھا۔ اگرچہ وہ نہایت متین شخص تھے۔ مگر ہنسنے کے موقع پر ہنسا بھی کرتے تھے۔ قصے بھی سنایا کرتے تھے لطیفوں سے محفل کو زعفران زار بھی بنا دیا کرتے تھے۔ ان کے

Marfat.com

کسی عمل میں بھی سستا یا ہلکا پن نہیں تھا۔ ادب آداب کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ لکھتے ت
توجہ اور انہماک کے ساتھ۔ بنیادی طور پر احتیاط اور ضبط و تحمل ان کی زندگی، شخصیت اور تحریر و تقر
جزو لاینفک تھے۔ وہ روایات واقدار، وضع داری اور گزری ہوئی شرافت و نجابت کا نمونہ تھے۔ معشیات کے
ایسے لوگوں کا وجود ناپید ہوتا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی علمی بالخصوص تحقیقی دل چسپیوں نے رسالہ "تحقیق" کے اجراء کو عملی شکل دی
چسپیاں اس وقت عشق کی صورت اختیار کرتی نظر آتی ہیں جب رسالہ اپنے ایک خاص مقام کو پہنچ گیا۔ شمارہ ا
اور ۱۳۔۱۲ ظاہری و معنوی اعتبار سے گواہ ہیں کہ وہ فنانی التحقیق تھے۔ رسالہ "تحقیق" پر کوئی کچھ لکھتا تو بہت خ
ہوتے اس کی نقل مجھے دکھاتے مادام فہمیدہ کو بھجواتے ایک مرتبہ معارف اعظم گڑھ میں تحقیق پر تبصرہ شائع ہو
مادام کو بھجوایا "جنگ" میں شفیع عقیل صاحب نے شمارہ ۱۱۔۱۰ پر تبصرہ کیا تو میں نے اس کو اخبار سے کاٹ کر کاغ
چسپاں کیا اور ڈاکٹر صاحب کو پیش کیا تو بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح "انشاء" حیدر آباد میں وقتاً فوقتاً شائع ہو
والے مضامین اور تبصروں پر بھی کلماتِ تحسین سے نوازتے تھے۔ تحقیق کی تعریف میں خطوط آتے تو
پڑھواتے۔ باوجود اس کہ ان کا شمار برصغیر پاک و ہند کے چیدہ چیدہ محققین میں ہوتا ہے انھوں نے اپنی ذات
نمایاں کرنا پسند نہیں کیا۔ ایسے کتنے ہی موقع آئے جن سے ان کی زندگی اور شخصیت کے اہم گوشے نمایاں ہو
سامنے آتے مگر انھیں شہرت پسند نہیں تھی۔

● ایک مرتبہ روزنامہ جنگ کے جناب اختر سعیدی صاحب نے چاہا کہ ڈاکٹر صاحب کا انٹرویو کریں مگر انھو
نے کہلوا دیا کہ اس کے بجائے اگر وہ، ہمارے "تحقیق" پر کچھ چھاپیں گے تو خوشی ہوگی۔ وہ علماء و فضلاء کے اس ط
سے تعلق رکھتے تھے جن کے لیے شہرت اور نام و نمود کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ دنیا اور آخرت میں نیکی و فلاح ک
کاموں کے عوض زندہ رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ بقا کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں۔

انھی کی محنت پیہم، جگر کاوی اور دل سوزی کا نتیجہ ہے کہ رسالہ تحقیق آسمان تحقیق کا تابناک ستارہ بن ک
زمانے کو منور کر رہا ہے۔ آج برصغیر پاک و ہند کیا دیگر ممالک میں بھی "تحقیق" شعبہ اردو کی بالخصوص اور جامع
سندھ کی بالعموم پہچان بن گیا ہے۔ انھیں شعبہ اردو اور جامعہ سندھ سے غیر معمولی محبت تھی انھوں نے جام
سندھ کی خدمات کے صلے میں کبھی کسی معاوضے کی تمنا نہیں کی۔ بے لوث خدمت ان کا وطیرہ تھا اسی قلبی لگاؤ کا نتیج
تھا کہ جب روزنامہ جنگ کی ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۰ء کی اشاعت میں مضمون نگار کی جانب سے شعبہ اردو
جامعہ سندھ کی تحقیر کی کوشش کی گئی تو ڈاکٹر صاحب نہایت کبیدہ خاطر ہوئے۔ انھوں نے چیئرپرسن فہمیدہ شیخ
صاحبہ کو مشورہ دیا کہ آپ کو اس کا مناسب جواب دینا چاہیے، فہمیدہ شیخ صاحبہ نے نہ صرف تحریری جواب دیا (جسے
روزنامہ جنگ نے شائع نہیں کیا) بلکہ ان فضلاء سے حقیقت بھی دریافت کی جن کے اس مضمون میں نام تھے ان حضر
نے لکھا کہ ان کا ان توہین آمیز بیانات سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے جنھیں اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے
ڈاکٹر طاہر تونسوی صاحب نے تو براہِ راست وائس چانسلر صاحب کو لکھ کر واضح کیا کہ وہ نہ صرف شعبہ اردو بلکہ

Marfat.com

جامعہ سندھ کی نہایت قدر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب جاوید اقبال صاحب کے پی ایچ ڈی کے نگراں تھے۔ ۱۰ فروری ۲۰۰۱ء کی صبح دوسرے سیمینار میں شرکت کے لیے نیو کیمپس تشریف لائے تو ہم خاصی دیر تک ساتھ بیٹھے۔ وہ گزشتہ ایک مہینے سے علیل تھے اور کوئی ہفتے بھر سے طبیعت زیادہ خراب تھی اپنے حال سے آگاہ کرنا تو مزاج ہی میں نہیں تھا پوچھ لیا تو بتا دیا ورنہ کام سے کام ہے۔ غالباً نمونیے کا اٹیک تھا اور ڈاکٹر نے دوائیوں کا کورس جاری کر رکھا تھا اس دن ہمارے خیریت دریافت کرنے پر بتانے لگے کہ ایکس رے نکلوایا تھا پھیپھڑوں میں پانی تھا۔ مگر ڈاکٹر نے دواؤں سے خشک کر دیا ہے اب ذرا بلغم ہے، اسی کی تکلیف ہے اللہ نے چاہا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ سیمینار میں شرکت کی، ایک مقام پر رائے کا اظہار بھی کیا۔ تواضع کے کمرے میں مہمانوں کے ساتھ بہ حیثیت میزبان کھڑے رہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مناسب ہوگا کہ ادھر آفس میں چل کر بیٹھیں مگر انھوں نے اسے پسند نہیں کیا اور کہنے لگے نہیں مہمان موجود ہیں میزبان کا ہونا ضروری ہے۔ واپسی کا سفر ایک کار میں کیا ڈاکٹر صاحب، عتیق احمد جیلانی، جاوید اقبال اور راقم ساتھ تھے۔ جاوید صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو اگلی نشست کی پیش کش کی مگر انھوں نے پیچھے بیٹھنا پسند کیا میں نے محسوس کیا کہ ان کی طبیعت زیادہ خراب تھی، مگر اظہار سے اجتناب کر رہے تھے۔

دوسرے دن میں گھر گیا، میرے پاس ڈاکٹر صاحب کی کچھ ڈاک تھی۔ بیٹھنے کو کہا مگر افسوس کہ میں بہ وجوہ بیٹھ نہیں سکا۔ تیسرے دن یعنی ۱۲ فروری کو ان سے ٹیلی فون پر بات ہوئی اس دن بھی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ چوتھے دن یعنی ۱۳ فروری کو مجھے رسالہ تحقیق سے متعلق کچھ پوچھنا تھا۔ کوئی دس بج کر بیس منٹ پر ٹیلی فون کیا تو کسی خاتون نے اٹھایا۔ میرے دریافت کرنے پر کہنے لگیں کہ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت خراب ہے ڈاکٹر کے ہاں گئے ہیں۔ مجھے ان کے لہجے سے شبہ ہوا کہ معاملہ سنگین ہے چناں چہ میں نے پھر دریافت کیا کہ کیا ڈاکٹر صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے ؟ اور خود گئے ہیں یا کوئی لے کر گیا ہے۔ کہنے لگیں ہاں زیادہ خراب ہے اور محلے کے کچھ لوگ لے کر گئے ہیں۔ یہ جملے سن کر مجھے اپنی حرکت قلب بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے جب یہ اطلاع مادام فہمیدہ شیخ صاحبہ کو دی تو وہ حیرت سے کھڑی ہو گئیں۔ میں حالت پریشانی میں اپنی ٹیبل پر بیٹھ گیا اور مسلسل ڈاکٹر صاحب سے متعلق سوچنے لگا ابھی کوئی بیس پچیس منٹ گزرے ہوں گے کہ جاوید اقبال صاحب بھاگے بھاگے آئے اور کہنے لگے کہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا قیامت گزر گئی پیروں تلے سے زمین نکل گئی یا آسمان سر پر گر پڑا رنج والم کی کن کیفیتوں سے گزرتا ہوا مادام کے کمرے تک پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مادام سعدیہ نسیم صاحبہ اور مادام فہمیدہ شیخ صاحبہ ضبط نہیں کر سکیں اور رونے لگیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے گھر پر تصدیق کے لیے ٹیلی فون کیا تو پتا چلا کہ اطلاع صحیح ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں پھر سے یتیم ہو گیا۔

میں نے وہیں سے بعض لوگوں کو اطلاع دی اور جاوید صاحب کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے گھر آ گیا۔ دوپہر

Marfat.com

کا وقت تھا۔ شاہ انجم وہاں پہنچ چکے تھے، گھر کے باہر شامیانہ تنا ہوا تھا اور سفید چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں۔ میں اپنے جذبات کو ضبط نہیں کر سکا اور رکشہ سے اترتے ہی شاہ انجم سے لپٹ گیا۔ میرے آنسو میرے اختیار سے باہر تھے ڈاکٹر صاحب کی آواز کانوں میں گونجنے لگی، گھر پر جائیے کال بیل بجائیے ڈاکٹر صاحب کی گرج دار مگر نہایت ملائم آواز سنائی دیتی "اچھا۔ اچھا بھئی آرہا ہوں"۔ ایسے ملتے جیسے اپنے سے بڑے سے مل رہے ہیں بڑھ کر سلام کرتے، مصافحہ کرتے اندر تشریف لانے کو کہتے، خدا حافظ کہنے کا بھی عجیب انداز تھا بائیں طرف قدرے جھک کر اور سر کو خاص انداز میں جھٹکا دے کر سلام کرتے اور جب تک مہمان رخصت نہ ہو جاتا دروازے پر کھڑے رہتے۔ اس روز کیسا سناٹا تھا مگر خیالات میں ڈاکٹر صاحب کی آوازیں اور ان کا سراپا میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا تھا۔ وہ دن اور وہ رات مجھ پر ایسے گزرے جیسے آپا اور باجی کے انتقال کے وقت گزرے تھے۔ نہ سونا اچھا لگتا تھا نہ جاگنا نہ کھانے کا ہوش تھا نہ پینے کا۔ پھر کتنے ہی دن ایسے گزرے جن میں زندگی بے مزہ ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب کے برادرِ نسبتی محترم بدرالدین فاروقی صاحب کے بیٹے جمشید صاحب جو اسی مکان کی بالائی منزل میں رہتے ہیں کے بیان کے مطابق ڈاکٹر صاحب صبح حسبِ معمول اٹھے، فجر کی نماز ادا کی، پانی کی موٹر چلائی، گھر کا کام کرنے والی ماسی آئی تو دروازہ کھولا، بیگم کو جگایا، ماسی کو ہدایت کی کہ بھئی ان (بیگم) کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کم زور زیادہ ہو گئی ہیں۔ لہٰذا ناشتے میں انڈا دیجیے گا۔ ماسی نے پوچھا کہ آپ ناشتے میں کیا کھائیں گے کہنے لگے جو روکھی سوکھی مل جائے کھالیں گے۔ صبح کے دس بجے ہوں گے۔ دروازے پر سے اخبار اٹھا کر لائے، ماسی نے ٹیبل پر ناشتہ رکھا۔ بیڈ پر بیٹھے ہوئے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے، بیگم ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہنے لگے چکر آرہے ہیں، انسولین لے لیتا ہوں، یہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں داب لیں ابھی پورے طور پر اٹھ نہیں پائے تھے کہ بستر ہی پر گر پڑے، بیگم نے چیخ ماری، ماسی نے ڈاکٹر صاحب کے پاؤں بستر پر کیے اور بالائی منزل کی طرف دوڑی اوپر سے جمشید صاحب آئے انھوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب بے سدھ پڑے ہیں ان کے ہلانے جلانے پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا تو وہ باہر دوڑے اور محلے کے لڑکوں کو جمع کیا اور فوری طور پر گاڑی میں ڈال کر قریبی دل کے ہسپتال لے گئے وہاں انھوں نے چیک کرنے کے مختلف طریقے اختیار کیے مگر امکان یہ ظاہر کیا کہ بہت دیر ہو گئی ہے، دل کا دورہ اتنا شدید تھا کہ گرتے ہیں ختم ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر صاحب کسی سے خدمت لینے کے بہ جائے خدمت کرنے کو پسند کرتے تھے۔ آخری دن بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جذبے کی لاج رکھ لی اور انھوں نے چند لمحے بھی کسی کی خدمت کا بار نہیں اٹھایا۔

ڈاکٹر صاحب کے خود تو کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک چھوٹے بھائی ہیں۔ جو اکثر بیمار رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اکیلے ہونے اور بیگم کی مسلسل ناسازی طبیعت کی بناء پر جمشید صاحب بالائی منزل میں رہنے لگے تھے ان سے ڈاکٹر صاحب کو خاصی بے فکری تھی۔ ان کا ایک بچہ جس کی عمر کوئی دو ڈھائی سال ہو گی اکثر ڈاکٹر صاحب کے پاس رہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نہایت پیار و محبت سے پیش آتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی نمازِ جنازہ قبلہ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب نے پڑھائی ایک استاذ اپنے شاگرد

Marfat.com

ہر کو اگلی منزلوں پر روانگی کے وقت فی امان اللہ کہتے ہوئے، زار زار رونے لگا۔ ڈاکٹر صاحب دیر تک چہرہ دیکھتے اور
و پونچھتے رہے۔ اولڈ کیمپس سے یہ قافلہ دو بسوں میں میر فضل ٹاؤن لطیف آباد کے قبرستان کے لیے روانہ ہوا۔
رب کی نماز سے کچھ وقت قبل تدفین مکمل ہوئی۔ حافظ منیر احمد صاحب (نبیرۂ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں) نے
ے خیر کی۔ اور یوں ایک شخص کو نہیں ایک عہد کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

آج حیدر آباد شہر کی فضائیں سوگوار ہیں کہ یہ شہر کیسی کیسی سر بر آوردہ شخصیات سے خالی ہو گیا ہے اور
تا جا رہا ہے۔ تاہم موت سے کس کو رستگاری ہے۔

ڈاکٹر صاحب جب کسی کے کام سے متاثر ہوتے اور تعریف کرنا چاہتے تو یہ مصرع اپنے بلند
ہنگ لہجے کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

آج جب میں، ڈاکٹر صاحب کی مجموعی زندگی کو دیکھتا ہوں تو وہ سراپا مذکورہ شعر دکھائی
یتے ہیں۔

قیس سا پھر نہ اٹھا کوئی بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

پس نوشت: میں جب کچھ لکھتا تو ڈاکٹر صاحب کو ضرور سناتا، وہ مبالغے بلاوجہ طوالت اور تحریر کی ناپختگی کو
پسند نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ابھی "پکانا" چاہیے اپنے بعض مضامین کے لیے بھی کہا کرتے تھے کہ "ابھی پک
رہے ہیں"۔

جس عقیدت، محبت، تاہم عجلت کے ساتھ یہ مضمون لکھا گیا ہے ڈاکٹر صاحب سنتے تو ضرور کہتے کہ ابھی
اور پکانا چاہیے تھا۔

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر محمد ذکاء اللہ خاں

پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب

سنجیدگی، متانت، نکتہ سنجی، معاملہ فہمی، یہ ان بہت سی صفات میں سے چند ہیں جو ہر وہ شخص جو ان سے ربط رکھتا تھا ضرور محسوس کرتا تھا۔ یہ ان کی شخصیت کا حصہ تھیں۔ پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب سے میرا رابطہ ویسے تو اسی وقت سے رہا ہے جب سے میں نے جامعہ سندھ میں درس و تدریس کا عمل شروع کیا۔ لیکن میرا ادب سے لگاؤ مجھے ان کے اور قریب لے آیا اور یہ میری خوش قسمتی رہی کہ ان کی وساطت سے مجھے بہت سی اچھی کتابیں پڑھنے کو ملیں۔

ان کے شوق تحقیق کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جب بھی جامعہ جاتے یا واپس آتے میرے ہم سفر ہوتے تو اکثر و بیشتر علمی اور تحقیقی گفت گو ہی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ہم لوگ اس بات پر غور کر رہے تھے۔ کہ اشعار کے اوزان کے حوالے سے اصولِ عروض میں ریاضی کے "ترتیب واجتماع (Permutotions and Combinations) کا اطلاق کیا جائے تو حاصل ہونے والی مختلف ترتیبیں اور ان کے اجتماع سے حاصل ہونے والی مختلف ترکیبیں اشعار کے عروضی اصولوں پر کس طرح اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ پتا چلا یہ تمام ترتیبیں زیرِ استعمال نہیں ہیں۔

سابق رئیس جامعہ جناب مظہر الدین صدیقی صاحب کے زمانے میں Extra-Mural Activities کے حوالے سے اردو مباحثوں کے لیے انھیں چیئر مین اور مجھے دیگر احباب کے ہمراہ اس کا رکن مقرر کیا گیا تو ہم لوگ سبار ہا ملے اور ہمہ کوش رہے۔

میری ان سے آخری ملاقات ان کی قیام گاہ پر ہوئی۔ جس کا موضوع تحقیق کے حوالے سے تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پاکستان میں کی جانے والی سائنس کی تحقیق کی ایک Index تیار کی جائے لیکن ان کا گلہ تھا کہ لوگ ان سے اس سلسلے میں تعاون نہیں کر رہے۔

ان کے گرد خواہ گھر ہو یا شعبہ اردو، ہمیشہ کتابوں کے انبار لگے ہوتے تھے۔ اور وہ مصروفِ کار رہتے تھے۔ مجھے اس موقع پر Robert Southon کی یہ Couplet یاد آرہی ہے جو صحیح تصویر کشی کرتی ہے۔

My never failing friends are they with whom I converse day by day.

نجم صاحب ان لوگوں میں سے ہیں، موت جن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور وہ اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ "تحقیق" ان کا وہ شاہ کار ہے جو نہ صرف ان کے بل کہ جامعہ سندھ کے لیے بھی باعثِ فخر رہے گا اور آنے والے محققین اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ

آخر میں اللہ رب العزت سے دست بہ دعا ہوں کہ وہ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

Marfat.com

عبداللطیف انصاری

ڈاکٹر نجم الاسلام کی یادیں

۱۹۸۸ء کا ذکر ہے کہ میں سندھ یونی ورسٹی کے فزکس ڈیپارٹمنٹ میں بی ایس سی (آنرز) کا طالب علم تھا۔ ایک دن کسی کام سے آرٹس فیکلٹی کی جانب نکل گیا، برادرم تجمل حسین ترین مل گئے، ملتے ہی وہ مجھے صدر شعبہ اردو اور اپنے شفیق و محترم استاد کے پاس لے گئے۔ چند ہی لمحوں بعد میں نے کشادہ پیشانی اور روشن آنکھوں والے، میٹھی زبان اور ٹھہرے لہجے میں بات کرنے والے بزرگ کے سامنے اپنے آپ کو پایا۔ معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر نجم الاسلام ہیں۔ دانش و ادب کے لیے زندگی وقف کرنے والے، علم و طالب علم سے حقیقی پیار کرنے والے اور تحقیق کے بحر ذخار سے صدف و گہر دریافت کرنے والے۔

اس موقع پر برادرم تجمل حسین نے زبان و ادب سے میرے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "بجائے اِدھر آنے کے یہ اُدھر نکل گئے ہیں اور ادھر کا چکر شاید انھیں کہیں کا نہ چھوڑے"۔ مگر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کئی ایسی شخصیتوں کے نام لیے جو سائنس میں ممتاز حیثیت کے ساتھ ادب میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ لیکن پھر حالات کی نامساعدت اور اپنے ذہن کی ناموافقت کے سبب تجمل حسین صاحب کی پیش گوئی کے عین مطابق مجھے نیو کیمپس کا فزکس ڈیپارٹمنٹ چھوڑنا پڑا اور پرائیویٹ بی اے کرکے اولڈ کیمپس کے شعبہ اردو کے کوچے میں وارد ہونا پڑا۔ اس ماہیئت قلبی

Marfat.com

کے بعد چند ہی دنوں میں اس کوچے کے مکینوں سے خوب شناسائی ہو گئی۔

ڈاکٹر نجم الاسلام نے کبھی بھی ہمارے بیچ کے طلباء کی کلاس نہیں لی مگر سال دوم کے طلباء کو "اقبالیات" کے عنوان سے لیکچر دیتے رہے۔ میں دیکھتا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب اپنے تدریسی وقت کے مطابق بروقت کلاس میں پہنچ جاتے۔ کبھی کبھی سالِ اول کی کلاس میں استاد کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں بھی سال دوم کی کلاس میں ان کی اجازت سے شریک ہو جاتا۔ ان کے لیکچر کے دوران محسوس ہوتا کہ جیسے علم کے سمندر کی موجیں ہلکورے لے رہی ہوں، لہجے میں آواز کی گھن گرج کے بجائے نرمی اور مٹھاس کی حلاوت، ہر جنبش لب پر غنچہ چٹکنے کی کیفیت، نپے تلے الفاظ اور برمحل محاورات سے مزین گفت گو، علمی نکات سے بھرپور استدلالات، معلومات کا خزینہ، اسرار علم کا دفینہ جب طلباء کے سامنے شعور و ادب کے جواہر ریزے بکھیرتا تو ہر طالب علم سنجیدگی و انہماک کا مجسمہ بنے صرف ان ہی کو تکتا رہتا یا پھر ان کے حکم پر ان کے بیان کردہ نکات کو قلم بند کر لیتا۔ شوقِ علم کو سینے میں لیے ہوئے طلباء ان کے لیے سراپا انتظار رہتے اور جب وہ آتے تو ان کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کر دیتے۔

میری کلاس سے پیوستہ سال دوم کی کلاس کے رخصت ہونے کے بعد پھر انھوں نے کوئی لیکچر نہیں دیا۔ بعد ازاں رمضان المبارک میں طلبائے سال دوم نے سیرت کے حوالے سے ایک ادبی تقریب منعقد کی اس تقریب میں کرسی صدارت پر آپ رونق افروز ہوئے اور طلباء کی مثبت سرگرمیوں اور قیمتی نگارشات کو دیکھ کر مطمئن اور محظوظ بھی ہوئے۔

شعبہ اردو کی صدارت سے سبکدوشی کے بعد ان کی توجہات کا مرکز ان ہی کے خونِ جگر سے سینچا ہوا مجلہ "تحقیق" بنا رہا۔ یہ مجلہ اب تناور چھتنار درخت کی مانند اہلِ تحقیق و نقد کی تراوت ذہنی کا ذریعہ اور ان کی علمی تشنگی کو سیرابی کی چھاؤں عطا کر رہا ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام نے سندھ یونی ورسٹی کے شعبہ اردو سے جاری ہونے والے اس رسالے کو بین الاقوامی حیثیت عطا کر دی۔ تحقیق و تنقید کے شعبے میں اس مجلّے کے ذریعے دنیائے ادب و دانش سے متعلق ممتاز فضلاء کرام اور نام ور علماء کرام کے رشحاتِ قلم منصۂ شہود پر آئے۔ یہ رشحاتِ قلم اہلِ علم کی طمانیتِ فکر و نظر کا باعث بنتے رہے۔ ہندوپاک میں اس مجلّے نے سنجیدہ اور باشعور طبقے میں دھوم مچا دی۔ اور دھوم بھی کیوں نہ مچتی کہ اس رسالے کے مدیر شہیر تحقیق و تنقید کے تمام تر تقاضوں سے واقف حزم و احتیاط اور وقار و لحاظ کی ہر ضرورت سے آشنا اور مثبت فکر و نظر کو اپنے آدرش اور خوابوں میں بسائے ہوئے ممتاز محقق ڈاکٹر نجم الاسلام تھے۔

گذشتہ تین سالوں کے دوران، "تحقیق" میں شائع ہونے والے مضامین کی پروف ریڈنگ کے لیے ان کی خدمت میں اکثر و بیشتر حاضر ہوتا رہا۔ جب بھی ان کے درِ دولت پر دستک دیتا تو گھر کے اندر سے

Marfat.com

شیرینی اور ملائمت میں ڈوبی ہوئی آواز "اچھا، اچھا آتے ہیں" کانوں میں رس گھولنے لگتی۔ وہ سامنے آتے ہی سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرتے کہ بڑے لوگوں کا شیوہ یہی ہے اور پھر بڑے تپاک سے صوفے پر بیٹھنے کا کہتے۔ خیر خیریت دریافت فرماتے، مشاغل کے بارے میں بڑی فکر مندی سے استفسار فرماتے۔ اسی دوران کوئی پروف مجھے تھماتے اور پھر میں ان کے سامنے بیٹھا پروف کے مطالعے میں مشغول ہو جاتا۔ عموماً یہ حاضری نمازِ عصر کے بعد سے عشاء کی اذان تک جاری رہتی اور کبھی کبھی ان سے گفت گو کے لیے حاضری کا سلسلہ نمازِ عشاء کے بعد تک دراز ہو جاتا۔ انھوں نے مجھے اپنا مستقل معاون بننے کی پیش کش کے ساتھ ماہانہ مشاہرہ بھی دینا چاہا مگر میں تو مشاہرے اور معاوضے سے بے پروا صرف خدمت اور آموزش کے جذبے کے ساتھ ان کے درِ دولت پر حاضری کو اپنی سعادت مندی سمجھتا تھا۔

الاستاذ المحترم مولانا سید وصی مظہر ندوی مد ظلہ العالی کے بارے میں اکثر حال احوال پوچھتے، فرماتے کہ "وصی مظہر صاحب کی شخصیت میں علم و ادب کا بڑا اعلیٰ اور ستھرا ذوق موجود ہے اور خصوصاً ان کی عربی دانی تو قابلِ رشک ہے۔ مگر انھوں نے عوامی شعبوں میں اپنے آپ کو پھنسا لیا"۔

لکھنو یونی ورسٹی کے شعبہ فارسی کی سابق سربراہ ڈاکٹر آصفہ زمانی جو مولانا وصی مظہر صاحب کی رشتے کی بہن ہیں، کا فارسی زبان کے حوالے سے تذکرہ فرماتے۔ گذشتہ سال اگست میں محترمہ آصفہ زمانی نے اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت کا دعوت نامہ انھیں بھیجا تو فرمانے لگے، "چلو، اسی بہانے اپنی جنم بھومی بھی دیکھ آئیں گے اور احباب سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ مگر پھر مولانا وصی مظہر صاحب کے ذریعے اس شادی کی منسوخی کی اطلاع مجھے ملی اور میں نے ان تک پہنچائی تو خاصے ملول و متفکر ہوئے۔

دینی، ادبی اور تحقیقی موضوعات پر بلا تکلف تا دیر ان سے گفت گو رہتی اور وہ میرے سوالوں کے تشفی بخش جوابات دیتے رہتے۔ میرٹھ اور بعد ہجرت سکھر کے واقعات سناتے۔ جامعہ اشرفیہ سکھر کے مولانا محمد احمد تھانوی صاحب سے اپنے، عربی پڑھنے کا طریقہ اور انداز بتاتے۔ میری دلچسپی کو بھانپتے ہوئے انھوں نے مجھے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے "اردو کا مناظراتی ادب" کا عنوان تجویز کیا تھا۔ اور خود ہی نگراں بننے اور ضروری لوازمات فراہم کرنے کی پیش کش بھی کی تھی۔ مگر اب واحسرتا! اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

وہ جس نقشہ کار کے تحت مجھ سے کام لینا چاہتے تھے، اس وقت زمین کے سینے پر اس طرح سے کام لینے والا کوئی بھی نظر نہیں آتا، بہ قول صبا اکبر آبادی یہ کہہ کر دل کو سمجھانا پڑتا ہے

اے دل یہ پھول انھیں کے ستارے نہ ہوں کہیں جو آسماں ، زمین نے پیوند ہو گئے

"تحقیق میں شائع ہونے والے مضامین میں ڈاکٹر نجم الاسلام دی جانے والی معلومات کے مراجع..آخذ پر نس دھیان دیتے تھے اور آخری دنوں میں ان کی دلچسپی کا محور تحقیق منسوبات کا شعبہ رہا۔ مگر اس طرف ت.ٹ و

Marfat.com

کیا کہیے کہ ۲۸ مارچ کو نکلنے والے وقیع روزنامہ "جنگ" کے "مڈویک ایڈیشن" کے صفحہ ۱۵ پر ایک تعزیتی مضمون شائع ہوا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم کی شخصیت کے کھلے اور چھپے گوشوں پر بہترین لفظیات کے ساتھ اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ان کی ذاتی زندگی اور علمی کارناموں کے حوالے سے بیش قیمت معلومات درج کی گئی ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان معلومات کے مآخذ اور مصادر کا ذکر غائب ہے۔ ہمیں بھی جستجو ہوئی کہ بعد رحلت ان معلومات کے ذرائع کیا ہیں؟ معلوم ہوا کہ استاذِ گرامی سید جاوید اقبال دامت فیوضہم نے ۱۹۹۶ء میں محترمہ نازنین سلیم کے ذریعے بڑی کدوکاوش کے بعد ایک مقالہ بہ عنوان "ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے نام ور شاگرد" لکھوایا تھا۔ اس مقالے میں، ڈاکٹر نجم الاسلام کا تذکرہ، متذکرہ صدر مضمون میں دی جانے والی معلومات کے ساتھ درج ہے۔ اغلباً یہی مقالہ اس تعزیتی مضمون کے لیے بنیادی لوازمے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ مگر خوب صورت لفاظی کے پردے میں اس مآخذ کو چھپادیا گیا۔ محترمہ نازنین سلیم بھی دل مسوس کر رہ گئی ہوں گی کہ ان کے قلم کی نگارش، "کسی اور کی زبان کی گذارش" بن گئی! آخر کیسے؟ لوگ روشنی سے فیض یاب ہوتے ہیں مگر چراغ کو بھول جاتے ہیں، نہ جانے کیوں؟

ڈاکٹر نجم الاسلام یوں تو تہ خاک جا سوئے ہیں مگر ان کی جلائی ہوئی شمع فروزاں ہے۔ اس شمع کی ضیاء بار کرنیں علم وادب کے گوشے گوشے کو منور کرتی رہیں گی، ان کی یادیں، ان کی باتیں، ان کی تحریریں سدا زندہ رہیں گی، وہ تو اپنی جسمانی موت کے ساتھ ستارۂ صبح بن گئے مگر اس صبح کے ساتھ روشنی چہار سو پھیلے گی۔ ان کی آوازدلِ کے نہاں خانوں سے گفت گو کے ایوانوں تک اور قلم و قرطاس کی جولاں گاہ سے فکر و خیال کی بزم گاہ تک گونجتی رہے گی۔ مثل صبا ان کی قائم کردہ روایات اور مثبت افکار کے عطر بیز جھونکے مشامِ جاں کو معطر کرتے رہیں گے، وہ تو ماضی میں بھی اجالا تھے۔ اور اس اجالے کے نور سے مستقبل کے دریچے بھی مستنیر ہوتے رہیں گے۔ ان کی جسمانی زندگی کا چراغ بجھ گیا تو کیا ہوا، ان کی علمی زندگی کے چراغ کی لو اس درجہ تیز ہے کہ کئی چراغوں کی مدھم ہوتی ہوئی روشنی ان سے جلاء حاصل کرتی رہے گی۔ مگر پروفیسر عنایت علی خاں نے ماہر القادری کی موت پر جو نوحہ کہا تھا، اب اس کا مصداق ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی ذات بھی بن گئی ہے اس طرح کہ۔

جو اپنے جذبِ دروں سے دل میں جنوں کی موجیں ابھارتا تھا
جو اپنے افکار کی کرن سے خرد کا چہرہ نکھارتا تھا
وہ یوں نمایاں تھا، جیسے شب میں قطب ستارہ چمک رہا ہو
کہ جیسے دورِ خزاں میں کوئی گل شگفتہ دمک رہا ہو
ہمہ صفت زندگی تھی اس کی بیان کیا کیا کمال کیجیے
خدا سے بس اس کی مغفرت کا خلوصِ دل سے سوال کیجیے

Marfat.com

عتیق احمد جیلانی

ڈاکٹر نجم الاسلام

ڈاکٹر نجم الاسلام کی شخصیت کا اولین نقش جو میرے ذہن میں محفوظ ہے اس کا تعلق ۱۹۶۹ء یا ۱۹۷۰ء سے ہے جب میں علامہ اقبال ہائی اسکول لطیف آباد، حیدر آباد کا طالب علم تھا اور ڈاکٹر صاحب غزالی کالج سے منسلک تھے۔ اسکول اور کالج کی عمارت مشترک تھی اور ہاسٹل بھی نزدیک ہی ایک بنگلے میں ہوا کرتا تھا۔ اسکول صبح کے اوقات میں تھا اور کالج شام کے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کے علمی و تحقیقی مشاغل کا مجھے ادراک نہ تھا مگر اپنے اساتذہ سے ان کا ذکر سن کر اور چند مرتبہ انھیں دیکھ کر جو تاثر قائم ہوا وہ آج بھی صفحۂ دل پر نقش ہے۔ ہمارے اسکول کے محترم اساتذہ، پروفیسر حبیب ارشد، جناب شمس الدین اعجاز، جناب قدیر الاسلام راشد اور پروفیسر خلیل احمد، ڈاکٹر صاحب کے پایہ شناسوں میں سے تھے۔ ان پیارے استادوں کی حوصلہ افزائی اور تربیت نے ادب کا جو ذوق پیدا کیا اس نے ۱۹۷۷ء میں راقم کو ایم اے اردو میں داخلہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ اولڈ کیمپس میں شام کی کلاسوں کا پہلا سال تھا۔ شاگردوں میں راقم کے علاوہ حمید الدین شیخ، قمر مشتاق (مشتاق احمد خاں)، راجا فیض الحسن، سعید الدین، عابد ضیائی، ظہیر الدین بابر اور ان کی ہم شیرہ معروف شاعرہ رعنا حمید شامل تھیں۔ نیو کیمپس کی کلاسوں میں محسنہ نقوی اور رفیق احمد نقش نمایاں تھے۔

مادام رابعہ اقبال کی سنبھلی ہوئی بے تکلفی اور مادرانہ شفقت نے شاگردوں پر جادو سا کر رکھا تھا۔ مادام سعدیہ نسیم کی تدریسی زندگی کا یہ پہلا سال تھا اور ابھی ان کی شخصیت کے بنیادی عناصر کھل کر سامنے نہیں آئے تھے۔ ڈاکٹر نجی احمد ہاشمی، پروفیسر اظہر قادری، ڈاکٹر خان رشید اور ڈاکٹر نعیم ندوی صاحب باقاعدہ کلاسیں لیتے اور اپنے اپنے

Marfat.com

انداز میں رنگ جماتے۔ ڈاکٹر خان رشید نے خاص طور پر متاثر کیا۔ ان کے لیکچر میں وقت گزرنے کا احساس ختم ہو کر رہ جاتا تھا۔ مرحوم حقیقی معنوں میں ایک زبردست مقرر، عالم اور استاد تھے۔ ندوی صاحب کا پیریڈ عموماً لطیفوں اور چٹکلوں میں گزرتا البتہ ہاشمی صاحب اور قادری صاحب بڑی جاں فشانی سے اپنے فرائض ادا کرتے۔ کبھی جناب حمایت علی شاعر صاحب بھی کرم فرماتے اور اپنے دل نشیں انداز میں ایک عالم کی سیر کرا دیتے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام سے ایم اے فائنل میں کسبِ علم کا موقع میسر آیا۔ ان کے پاس تحقیق اور لسانیات جیسے خشک مضامین تھے۔ انھیں اپنے موضوعات پر عالمانہ گرفت تھی۔ اندازِ گفتگو نہایت سنجیدہ اور پروقار تھا۔ نہ خود غیر متعلق بات کرتے نہ کسی سے سننا پسند فرماتے۔ طالب علموں میں علمی ذوق پیدا کرنے کے لیے تلاش و جستجو پر آمادہ کرتے۔ اکثر سوالات کے جواب خود تلاش کرنے کا مشورہ دیتے۔ فرماتے: "دیکھ کر آیئے گا، ہم بھی دیکھیں گے"۔ پھر کسی مناسب موقع پر وہی موضوعات دوبارہ زیرِ بحث لاتے۔ ان کی کلاس میں نہ لطیفے ہوتے، نہ گھر کی باتیں، نہ بیرونی دوروں اور مشاعروں کی روداد وں جیسی دل چسپیاں، نہ ادعائی لب و لہجہ، مگر پھر بھی ایک کشش تھی جو ہمیں اپنی گرفت میں لیے رکھتی تھی۔ اس کشش کے بنیادی عناصر تین تھے، پہلا ڈاکٹر صاحب کا علم، دوسرا ان کی ہمہ گیر متانت اور تیسرا فیصلہ کن عنصر ان کی آواز یا لہجہ۔ گو کہ آواز بھی شخصیت ہی کا ایک جزو ہے، مگر میرے لیے اس کی اہمیت ایک مستقل عنصر کے طور پر تھی۔ میں آج پورے یقین اور شعور کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کی کلاس میں جو چیز میرے حواس کو بے دست و پا کر دیتی تھی اور وہ جو ایک پراسرار ہالا مجھے اپنے قلب و ذہن کے اطراف پھیلتا اور سمٹتا محسوس ہوتا تھا اس کا سرچشمہ یہی آواز اور یہی لہجہ تھا۔

اسکول میں جناب حبیب ارشد نے تدریسِ اردو کا ایسا معیار فراہم کیا تھا کہ کالج کی چار سالہ تعلیمی زندگی میں کوئی استاد اس کے نزدیک بھی نہ پہنچ سکا۔ ہاں جامعہ سندھ میں پہلے ڈاکٹر خان رشید پھر ڈاکٹر نجم الاسلام نے یہ خلا پر کیا۔ علم و ادب کے نت نئے جہانوں کی سیر کرائی، ذوق کو نئے ذائقے اور شوق کو نئی جہت سے آشنا کیا۔ غیر محسوس طور پر زندگی اور ادب کے حوالے سے ایک معیارِ نظر عطا کیا۔ یہ انھی اساتذہ کا فیضان ہے کہ اب کوئی شہرت کا دل دادہ شاعر، خود نمائی کا شوقین ادیب، اپنے فرائض سے غافل استاد، کوئی دروغ گو، ملمع کار یا ہجوم میں کہنیاں مار کر راستہ بناتا شخص، نظر میں جچتا ہی نہیں۔

ان دنوں اولڈ کیمپس میں کلاسوں کی ناظمہ مادام رابعہ اقبال تھیں اور صدرِ شعبہ پہلے ڈاکٹر نجم الاسلام اور بعد میں ڈاکٹر نبی احمد ہاشمی۔ ہاشمی صاحب کے غصے اور نجم الاسلام صاحب کی سنجیدگی کے سبب شاگرد اپنے مسائل مادام کے گوش گزار کرتے اور وہ اپنے انداز میں مسئلہ حل کرا دیتیں۔ ڈاکٹر صاحب طالب علموں کے لیے تفریحی ماحول پسند نہیں کرتے تھے۔ پکنک یا تفریحی دورے کو دردِ سر کہا کرتے۔ شعبے کی تقریبات میں بھی سنجیدہ ماحول کا تقاضا کرتے۔ وہ بجا طور پر یہ چاہتے تھے کہ طالبانِ ادب کی تفریح بھی ادبی حدود میں رہے۔ تقریبات میں مضامین پڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے۔ تلفظ کی درستی اور الفاظ کی صحیح مخارج سے ادائی پر زور دیتے۔ بڑے ڈاکٹر صاحب (قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں)، ڈاکٹر نجم الاسلام اور مادام رابعہ اقبال ہی کی نگہ داری کے سبب شعبہ اردو کی فضا بے

Marfat.com

ادبی اور بد ذوقی کے اثرات سے محفوظ رہی۔ بعد کے چند سالوں میں شعبے کی تقریبات کا ماحول ادبی و علمی شاہ راہ سے قدرے ہٹ کر سطحی اور غیر ادبی پگڈنڈی پر رواں نظر آنے لگا۔

شاگردوں میں مطالعے کا ذوق پیدا کرنے اور لکھنے پر راغب کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب اکثر فرمایا کرتے: "کاغذ انسان سے زیادہ پائیدار ہوتا ہے"۔ آخری سمسٹر کے دوران کسی استاد کا حوالہ دیا کہ انھوں نے اپنے شاگردوں کو سند عطا کرتے ہوئے کہا "یہ ہے آپ کی سند، اور اب جائیے علم حاصل کیجیے"۔ گویا دو، چار سال کی محدود مدت میں منتخب نصاب کی تدریس کا مقصد سمتِ سفر کی تعیین تو ہو سکتا ہے مگر اسے منزل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایم اے کی تکمیل ۱۹۸۰ء میں ہوئی اور شعبہ اردو میں میرا تقرر ۱۹۸۶ء میں ہوا۔ اس دوران نجی مصروفیات اور کیڈٹ کالج پٹارو کی ملازمت کے سبب ڈاکٹر صاحب سے ملاقاتوں میں طویل وقفے آتے رہے۔ پھر یہ ملاقاتیں بھی عموماً رسمی ہی رہیں۔ جب بھی ملے، لکھنے پڑھنے کی رفتار سے متعلق دریافت کیا اور مختلف طریقوں سے یہ بات ذہن نشین کرانے کی سعی کی کہ مشاعروں، تقریبوں اور خبروں کی دنیا ناپائیدار ہے۔ اس طرز زندگی میں وقت کا زیاں ہے۔ شاعری سے کبھی منع نہیں کیا مگر شاعرانہ طرزِ حیات کی خرابیوں سے ضرور آگاہ فرماتے۔ کہا کرتے "بھئی! اسٹیج کا شوق انسان کو کہیں کا نہیں رکھتا"۔ جملہ معترضہ کے طور پر عرض کرنا چاہوں گا کہ عام طور پر جسے شاعرانہ طرزِ حیات خیال کیا جاتا ہے میرے خیال میں ادب و شعر سے اسے کوئی علاقہ نہیں کیوں کہ سچی شاعری ظاہر پر نہیں، باطن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آدمی کو اندر سے تبدیل کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہی چاہتے تھے کہ ظاہر کی کشش کہیں باطن کے احوال سے غافل نہ کر دے۔

مشاعروں اور تقریبوں کے ذکر سے یاد آیا کہ ڈاکٹر صاحب شعبے کی تقریبات کے سوا کہیں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ میرے حافظے میں صرف چند مواقع محفوظ ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں ہمارے پرزور اصرار پر جلیسانِ ادب کی ایک شعری نشست میں جناب ظفر الاسلام کے دولت کدے پر کچھ دیر کے لیے تشریف لائے مگر کلام نہیں سنایا۔ (چند روز قبل استاذی پروفیسر حبیب ارشد نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب مذکورہ نشست میں محض "جلیسوں" کی ادبی کارکردگی کا جائزہ لینے کی غرض سے آئے تھے اور بعد میں انھوں نے حبیب ارشد صاحب سے اپنے اطمینان اور مسرت کا اظہار بھی فرمایا تھا)۔ دو مرتبہ شعبے کے اساتذہ کی معیت میں کراچی تشریف لے گئے پہلا موقع ۲۸ فروری ۱۹۸۸ء کو آیا جب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کے اعزاز میں جلسہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر مضمون بھی پڑھا۔ دوسرا موقع دسمبر ۱۹۹۱ء کو منعقدہ سیمینار بہ سلسلہ نیاز فتح پوری تھا۔ اس کے علاوہ برادرم مرزا سلیم بیگ کی پہلی شادی میں شرکت کے لیے ایک مقامی شادی ہال میں پہنچے ضرور لیکن میزبانوں کے انتظار سے گھبرا کر خاموشی سے واپسی کا راستا اختیار کیا۔

اسی ضمن میں ایک اور حوالہ بھی لائقِ ذکر ہے، استاد اختر انصاری اکبر آبادی "مفید مطلب" افراد کو "گھیرنے" میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ "نئی قدریں" کے لیے لکھوانا ہو یا اپنی کسی تقریب میں مدعو کرنا ہو ان کی گرفت بڑی سخت ہوا کرتی، بچ نکلنے کا راستا نہیں چھوڑتے تھے۔ استاد مرحوم کے تعلق سے نجم الاسلام صاحب پر حق بھی

Marfat.com

جتایا کرتے۔ ڈاکٹر صاحب مضمون تو دے دیتے مگر نشستوں میں شریک نہ ہوتے۔ استاد کے دفتر نما مکان یا مکان نما دفتر میں ہونے والی بے تکلف ادبی نشستوں کے شرکاء عموماً محدود ہوتے کیوں کہ استاد اپنے خاص احباب ہی کو مدعو کیا کرتے تھے۔ جسے بلاتے اس کے لیے انکار کی گنجائش نہ رہنے دیتے، مگر ڈاکٹر صاحب کے باب میں انھیں اپنی شکست کا اعتراف تھا، کہتے: "کوئی بات نہیں میں ان کی مجبوری سمجھتا ہوں"۔ نئی قدریں کی پروف خوانی کے دوران ڈاکٹر صاحب کا کوئی مضمون آجاتا تو احتیاط کی خاص تاکید کرتے۔

۱۹۸۶ء میں شعبہ اردو جامعہ سندھ سے میرے تدریسی تعلق کا آغاز ہوا تو پہلے دن ضروری دفتری کارروائی کے بعد ڈاکٹر صاحب مجھے اپنے ہم راہ یونی ورسٹی کے مرکزی کتاب خانے میں لے گئے۔ لائبریری کے روحِ رواں لغاری صاحب اور محمد شفیع بروہی صاحب سے متعارف کرایا۔ اورینٹل سیکشن کی سیر کرائی اور بڑی محبت سے فرمایا: "جیلانی صاحب! شعبے کے بعد یہ جگہ آپ کی دل چسپی کا مرکز ہونی چاہیے"۔ اس کے بعد باتوں ہی باتوں میں زور دے کر تین کاموں کی طرف متوجہ کیا: ایک یہ کہ جلد از جلد فون لگوا لیجے، دوسرے یہ کہ یونی ورسٹی کے بینک میں اکاؤنٹ کھلوا لیجیے۔ اور تیسری بات یہ کہ پہلی فرصت میں پوسٹ آفس جا کر انشورنس کے سلسلے میں معلومات حاصل کر لیجیے۔ پہلی دو باتیں تو آسانی سے سمجھ میں آگئیں۔ تیسری بات سے متعلق استفسار کرنے پر فرمایا: " ایک غیر فلاحی مملکت میں ایسے منصوبوں میں شرکت مفید رہتی ہے"۔ ان باتوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ نجم صاحب ہمیشہ اپنے شاگردوں اور شعبے کے اراکین کی خیر خواہی چاہتے تھے۔ مجھے ذاتی طور پر ایسے کئی خوش گوار تجربے ہوئے۔ سرکاری ملازمت کے فوائد ہم تک پہنچانے اور رکاوٹیں دور کرنے کی فکر انھیں خود ہم سے بھی زیادہ رہتی تھی۔

انھی دنوں کیڈٹ کالج پٹارو کو ایک مرتبہ پھر میری تدریسی خدمات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پرنسپل، کمانڈر ایم اسرار اللہ نے ڈاکٹر صاحب سے رابطہ کیا۔ انھوں نے اس ضمن میں وائس چانسلر سے منظوری حاصل کر کے مجھے پٹارو جانے کی اجازت دے دی مگر اس شرط کے ساتھ کہ میں اولڈ کیمپس میں شام کی کلاسیں بہ دستور لیتا رہوں گا۔ مجھے عذر نہ تھا مگر پھر بھی حوصلہ بڑھانے کے لیے فرمایا: "ماشاءاللہ! جوان آدمی ہیں، محنت کر سکتے ہیں۔ ہم نے بھی ملازمت کی ابتداء میں زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھانے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا"۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے تادمِ آخر یونی ورسٹی کی ہر ذمے داری کا بیشتر وزن اپنے ہی کندھوں پر برداشت کیا۔

۱۹۸۶ء میں ڈاکٹر صاحب شعبہ جاتی تحقیقی مجلے "تحقیق" کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ بیرونی فضلاء سے مقالات کی جمع آوری کے ساتھ ساتھ شعبے کے ساتھیوں کو بھی شوق دلاتے اور لکھنے پر آمادہ کرتے۔ اس وقت کے وائس چانسلر مظہر الحق صدیقی نے رسالے کے ضمن میں بھرپور تعاون کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی موافق حالات میں ایک اچھے آغاز کی ہر ممکن کوشش کی۔ مجھے یاد ہے ان دنوں وہ ہمہ وقت اسی رسالے کی فکر میں منہمک رہتے تھے۔ رسالے کا سائز کیا ہو؟ سرورق کیسا ہو؟ ضخامت کتنی ہونی چاہیے؟ طباعت کہاں ہو؟ لائقِ توجہ لوازمہ کیوں کر جمع کیا جائے؟ اور مشمولات میں تنوع کی کیا کیا صورتیں ممکن ہیں؟

Marfat.com

لفظ "تحقیق" کے کئی نمونے ڈاکٹر صاحب نے حاصل کیے۔ جب بھی موقع ملتا انھیں دیکھتے، لفظ کی نشست اور نوک پلک پر غور کرتے۔ اس مشق میں ہمیں بھی شریک کر لیتے۔ آخر معروف خوش نویس چراغ الہ آبادی ابن ذوقی الہ آبادی کی تیار کردہ لوح رسالے کے لیے منتخب فرمائی۔ سر ورق کو جاذبِ نظر اور پرکشش بنانے کے لیے رنگا رنگ تجاویز سامنے آئیں مگر ڈاکٹر صاحب نے سفید پس منظر کے ساتھ نیوی بلو "تحقیق" اور سبز یونی ورسٹی مونوگرام کے حق میں فیصلہ دیا اور طے کیا کہ رسالے کا ہر شمارہ اسی سادگی کا مظہر ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس رسالے کی پیش کش پورے طور پر ان کی شخصیت اور مزاج کی آئینہ دار ہے۔

"تحقیق" کے ابتدائی شمارے اُردو ٹائپ پر شائع ہوئے۔ پروف خوانی کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب بہت محتاط تھے۔ عام طور پر تین مرتبہ اور بعض صورتوں میں چار یا پانچ مرتبہ پروف پڑھے جاتے۔ تمام تر احتیاط کے باوجود رہ جانے والی غلطیوں کی اصلاح مطبوعہ کاپیوں میں اپنے ہاتھ سے کرتے۔ یہ بہ ظاہر معمولی مگر حقیقتاً سخت محنت طلب کام ہے جس کی انجام دہی نہایت ذوق و شوق سے فرماتے۔ پروف دیکھنے کے علاوہ مطبوعہ نسخوں کی اصلاح میں بھی مجھے شریک کرتے مگر اس بات کا اعتراف کیے بہ غیر چارہ نہیں کہ ان کی رفتارِ کار کا ساتھ دینا میرے بس سے باہر تھا۔ شعبے میں بہ حیثیت استاد آمد کے بعد رفیق احمد خاں بھی اس سلسلے میں شامل رہے، کچھ عرصے بعد ڈاکٹر صاحب نے انھیں باقاعدہ انچارج سیلز اینڈ اسٹاک بنا دیا۔ اغلاط کی اصلاح کے معاملے میں ہم لوگ محسوس کرتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کا ذہن ایک کمپیوٹر کی طرح کام کرتا ہے جس میں ہزاروں صفحات کے نمبر، سطور کے شمار اور اغلاط کی تفصیل محفوظ ہے۔ چھوٹی بڑی سیکڑوں اغلاط کی درستی عموماً تنہا اور بہ غیر کسی فہرست کی مدد کے فرماتے۔ رسالے کی اشاعت کے بعد کئی مرتبہ شرکائے کار کا دل بڑھانے اور مسرت میں شریک کرنے کی غرض سے ہوٹل میں دعوت دی۔ ایسی دعوتوں کا اشارہ عموماً محترمہ رابعہ اقبال کی طرف سے ہوا کرتا تھا۔ پہلے شمارے کی اشاعت پر مجھے قلم کا تحفہ عنایت فرمایا۔ غالباً دیگر اساتذہ کو بھی اسی انداز میں سرفراز فرمایا۔

رسالہ "تحقیق" کا ریکارڈ اور متعلقہ حسابات بڑی مہارت، محنت اور دیانت داری سے رکھتے۔ مختلف رجسٹروں اور فائلوں میں بروقت اندراج کرتے۔ کہیں سے فروخت کی مد میں رقم حاصل ہوتی تو بہ عجلت یونی ورسٹی اکاؤنٹ میں جمع کرا دیتے۔ ہمیں بھی تلقین کرتے کہ سرکار کا پیسا اپنے ہاتھ میں رکھنا مناسب نہیں ہے۔ شاید یہی سبب تھا کہ رسالہ یونی ورسٹی پریس ہی سے چھپواتے رہے اور بعض لوگوں کے اس مشورے پر کان نہ دھرے کہ کسی پرائیویٹ ادارے کی خدمات حاصل کی جائیں۔ میرے استفسار پر بھی ایک مرتبہ یہی فرمایا کہ مالی امور میں براہِ راست شرکت سے حتی الامکان گریز ہی بہتر ہے۔

رسالہ اپنے اعلا علمی و تحقیقی معیار کی وجہ سے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا رہا اور یونی ورسٹیوں کی روایت کے برخلاف اس کی فروخت کا ایک نظام قائم ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ابتدا ہی سے "تحقیق" کی اعزازی ترسیل کا سلسلہ انتہائی محدود رکھا البتہ یونی ورسٹی حکام کی اجازت سے علمی اداروں اور تاجران کتب کے لیے تیس فیصد رعایت کی منظوری دی۔ رسالے کی شوقیہ طلب پر عموماً جواب دیتے "بھئی، رسالہ سیل پر جا چکا"۔ یہ اسی حکمت

عملی کا نتیجہ ہے کہ اب تک ڈیڑھ لاکھ روپے کے قریب رقم، جامعہ سندھ، رسالے کی فروخت کی مد میں وصول کر چکی ہے۔ یہ دائرہ اور وسیع ہو سکتا تھا مگر اس ضمن میں دی گئی تجاویز کے جواب میں اکثر ارشاد ہوتا کہ "رسالے کی سیل بھی ضروری ہے مگر اس سے بڑھ کر یہ بات ضروری ہے کہ صرف صاحبانِ علم اور صاحبانِ ذوق کے ہاتھوں میں جائے"۔

ڈاکٹر صاحب نے "تحقیق" کو غیر معیاری تحریروں کی یلغار سے بچانے کا بھی خاص اہتمام کر رکھا تھا۔ موصولہ مضامین و مقالات کی جانچ پڑتال کے لیے اگرچہ ان کا علم اور تجربہ بھی کافی تھا مگر احتیاط، اصول و قواعد اور نظم و ضبط کے خیال سے ہر مقالے پر تین ماہرین کی رائے حاصل کرتے اور اس کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ ماہرین کی فہرست میں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ڈاکٹر اسلم فرخی، مشفق خواجہ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر معین الدین عقیل جیسے فضلاء شامل تھے۔

جامعہ کی ملازمت سے سبک دوشی کے بعد ذاتی رسالہ "نقرِ تحقیق" کے نام سے جاری کرنا چاہتے تھے۔ رسالے کا ڈیکلیریشن اپنے برادرِ نسبتی جناب صدر الدین صاحب کے نام پر حاصل کر لیا تھا۔ اور چار شماروں کے اخراجات کی مد میں رقم بھی علیحدہ رکھ دی تھی۔ اس سلسلے میں راقم سے بارہا تفصیلی گفتگو رہی۔ بہت سے معاملات طے ہو گئے مگر اسی دوران یونی ورسٹی نے وزیٹنگ پروفیسر کے طور پر ان کی خدمات حاصل کرنا چاہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے آمادگی ظاہر کر دی چناں چہ طے پایا کہ وہ مدیرِ "تحقیق" کے طور پر ذمے داریاں ادا کرتے رہیں گے۔ یوں "نقرِ تحقیق" کا منصوبہ روبہ عمل نہ آ سکا۔ اسی حوالے سے ایک بات اور یاد آ رہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے برادرانہ تعلق رکھنے والے ایک پروفیسر صاحب نے اس موقع پر ازراہِ خیر خواہی فرمایا۔ "آپ کی صحت بھی اجازت نہیں دیتی اور پھر وزیٹنگ پروفیسری کا اعزازیہ اس سارے دردِ سر کے مقابلے میں معمولی ہے آپ انکار کر دیں تو بہتر ہے"۔ ڈاکٹر صاحب نے موصوف کو یہ کہہ کر لاجواب کر دیا کہ "بھائی! رسالہ تحقیق کی ذمے داری تو ہم بلا معاوضہ بھی اٹھانے کو تیار ہیں اور اگر کبھی ذاتی رقم خرچ کرنے کا موقع آئے گا تو ہم ان شاء اللہ اس میں بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ شوق کی تکمیل بھی ہو اور کچھ معاوضہ بھی ملتا رہے۔ ہمارے خیال میں سودا برا نہیں"۔ "نقرِ تحقیق" کے حوالے سے غور و فکر کے دوران مختلف تجاویز سامنے آتی رہیں۔ ایک صاحب نے بعض مقامی تاجروں اور دکان داروں سے اشتہار دلوانے کی پیش کش کی تو ڈاکٹر صاحب نے غیر متوقع طور پر فرمایا "اشتہارات بھی رسالے کا حصہ ہوتے ہیں۔ تحقیقی رسالے میں جوتوں اور کپڑوں کے اشتہار کیا اچھے لگیں گے۔ اتنے پیسے تو ہم اپنی جیب سے لگا دیں گے بھائی"۔

شمارۂ ششم سے رسالہ جزوی طور پر مشینی کتابت کے دور میں داخل ہوا۔ یونی ورسٹی پریس کے قاسم صاحب کے بعد بھٹائی کمپیوٹر کمپوزرس کے عتیق محمد میو اور محمد مرتضیٰ میو نے یہ بارِ گراں بہ کمالِ خوبی سنبھالا اور مشکل ترین مسودات بڑی محنت اور مہارت سے کمپوز کرتے رہے۔ کمپیوٹر سے نکلے ہوئے پروف بھی حسبِ سابق کئی مرتبہ دیکھے جاتے۔ بعض اوقات یہ کتابت شدہ اوراق مقالہ نگاروں کے ملاحظے کے لیے بھی بھجوائے جاتے۔ خصوصاً ہندوستان میں ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو اور پاکستان میں ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ!۔

Marfat.com

سہولت کے سزوار ٹھہرتے۔

تحقیق کے اس دور میں ان کے دولت کدے کا بیرونی کمرہ عملاً دفتر تحقیق میں تبدیل ہو چکا تھا۔ دفتر میں موجود ایک میز، نصف سو فاسٹ، مسودات اور کتابوں کے انبار میں اہم اور نمایاں ترین ڈاکٹر صاحب کی اپنی دل نواز شخصیت ہوتی۔ کبھی پروف خوانی ہوتی کبھی عدسے اور عینک کی مدد سے علامات تشدید و حرکت، ہمزہ اضافت اور تنوین کے مرکز لگائے جاتے، اضافی نقطے بلیڈ سے صاف کیے جاتے، کبھی رسالوں کی پیکنگ ہوتی اور کبھی ڈاکٹر صاحب اپنے کسی مسودے کی تکمیل میں مصروف دکھائی دیتے۔ رسالے کی ترسیل اور دیگر عملی کاموں میں عام طور پر محمد عقیل شاد، ان کی معاونت کرتے۔ ڈاکٹر صاحب اولاد کی نعمت سے تو محروم تھے مگر میرے مشاہدے کے مطابق وہ "رسالہ تحقیق" اور اس کے معاونین میں محبتیں تقسیم کر کے اطمینان محسوس کرتے۔ ایک جذبہ رشک کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عزیزی محمد عقیل شاد کو اس شفقت سے بہرہ وافر عطا ہوا۔

محمد عقیل کے ساتھ عزیزم منظور احمد صدیقی بھی مختلف امور میں بڑی خوش دلی اور سعادت مندی سے شریک رہے۔ منظور احمد کی ہم شیرہ پروفیسر حنا عنبرین کو بھی اپنی ادبی و علمی دل چسپیوں کے سبب ان کا اعتماد اور توجہ حاصل رہی۔ رسالے سے محبت کا تو یہ عالم تھا کہ ڈاکٹر صاحب جب یرقان کے شدید حملے کا شکار ہو کر پہلے امریکن اسپتال لطیف آباد، حیدر آباد اور پھر آغا خاں اسپتال کراچی میں داخل رہے اس دوران بھی رسالے سے غافل نہیں رہے۔ راقم شعبے کے دیگر اساتذہ کے ہم راہ عیادت کی غرض سے کراچی گیا تو اسپتال میں رسمی کلمات کے بعد پہلا سوال ہی یہ ہوا کہ تحقیق کے پروف کس مرحلے میں ہیں؟

ایک طرف تو رسالہ "تحقیق" ڈاکٹر صاحب کی مسلسل اور ان تھک محنت کے سبب استحکام اور وقار حاصل کرتا جارہا تھا اور دوسری طرف چند حاسدین اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے درپے تھے۔ شعبے سے ان کی سبک دوشی کے کچھ عرصے بعد ڈاکٹر نذیر اے مغل نے بہ طور وائس چانسلر ذمے داریاں سنبھالیں۔ کیوں کہ موصوف ایک طویل عرصے بعد پاکستان تشریف لائے تھے اس لیے مذکورہ افراد نے ان کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر رسالہ ڈاکٹر صاحب سے واپس لینے کا فیصلہ کرانا چاہا۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے گزارش کی کہ وائس چانسلر سے مل کر تصویر کا دوسرا رخ دکھا دیجیے، مگر انھوں نے پسند نہیں فرمایا۔ آخر مسز فہمیدہ شیخ نے سید جاوید اقبال اور راقم کے ہم راہ وی سی صاحب سے ملاقات کی اور انھیں جریدہ "تحقیق" کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ اسی دوران معروف فضلاء ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ اور ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے بھی ازراہ علم دوستی وائس چانسلر سے رابطہ کیا۔ ان کاوشوں کے نتیجے میں ڈاکٹر نذیر اے مغل نے بیدار مغزی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ رسالے کا انتظام حسب سابق رہے گا۔ اس وقتی رکاوٹ سے قطع نظر تمام وائس چانسلر صاحبان بہ شمول ڈاکٹر غلام علی الانہ، ڈاکٹر نذیر اے مغل اور ڈاکٹر رشید احمد شاہ نے "تحقیق" اور مدیر تحقیق کی قدر افزائی کی اور اسی طرح متعلقہ ڈین صاحبان جناب مدد علی قادری، ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو، پروفیسر خیر محمد لاڑک اور ڈاکٹر قاضی خادم نے بھی ہر مرحلے پر دست تعاون بڑھایا۔

Marfat.com

رسالے کے کاموں میں معاونت خصوصاً پروف دیکھنے کے لیے ڈاکٹر صاحب میرے علاوہ شاہ انجم اور رفیق احمد خاں کو طلب فرماتے۔ کبھی عزیزم صفدر علی خاں، انعام الحق عباسی اور عبداللطیف انصاری بھی اس اعزاز سے سرفراز ہوتے۔ محمد عقیل شاد کے سپرد رسالے کے حوالے سے کچھ بیرونی کام ہوتے۔ ہم لوگ پہنچتے تو ڈاکٹر دفتر کا دروازہ کھلا ملتا، بہ صورتِ دیگر گھنٹی دبانے پر ڈاکٹر صاحب کی پراثر، دل نشیں اور بارعب آواز سماعتوں سے ٹکراتی: "اچھا! آتے ہیں"۔ پھر دروازہ کھلتا۔ سلام کا جواب دے کر مخصوص انداز میں فرماتے: "تشریف لایئے بھئی!" ہماری کوشش یہی ہوتی کہ نشستیں سنبھالتے ہی رسالے کا کام شروع کر دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب بھی ضروری امور کی انجام دہی میں مصروف ہو جاتے۔ اس دوران ہم میں سے کوئی ساتھی مسودات میں موجود کسی مشکل مقام کی گرہ کشائی کا طالب ہوتا تو ڈاکٹر صاحب بڑی محبت اور عالمانہ وقار کے ساتھ وضاحت فرماتے۔ چند گھنٹے کی نشست میں ہم لوگ کتنی ہی نئی باتیں جان کر اٹھتے۔

ڈاکٹر صاحب ہمیشہ دروازے تک رخصت کرنے کے لیے آتے۔ استقبال، تواضع اور پرتپاک رخصت کے اس معمول میں کبھی فرق نہ آیا۔ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ان کی عنایتیں، محبتیں اور شفقتیں ہمیشہ ایک ترجیح کی پابند رہتیں۔ یعنی ڈاکٹر صاحب کا دامنِ دل صرف ان کے لیے کشادہ تھا جو ہم ذوق تھے، رسالے کے معاون تھے، علمی کاموں میں مشغول تھے یا کسی اور ضروری کام کے لیے آتے اور غیر ضروری تمہید کے بہ غیر اظہارِ مدعا کرتے۔ شاگردوں سے ملاقات میں یہ غرض کار فرما ہتی کہ انھیں علمی سرگرمیوں کی طرف مائل کیا جائے۔ کہیں کوئی چنگاری دکھائی دے جاتی تو اسے شعلہ بنانے کے لیے بے قرار ہو جاتے۔ غیر ضروری تبادلہ خیال کے شائق نہ تھے۔ محض وقت گزارنے کی نیت سے آنے والے اصحاب کی حوصلہ افزائی نہ کرتے۔ ایسے مہربانوں سے بادلِ ناخواستہ "ہوں، ہاں!" میں گفتگو فرماتے۔ بعض اصحاب کو ان کی مختصر گوئی، دیر آمیزی اور کم پیوندی گراں گزرتی مگر میرے خیال میں یہ طرزِ عمل ان کے مزاج سے زیادہ ان کے کام کا تقاضا تھا۔ یہ وقت کی قدر ہی کا ثمر ہے کہ آج اردو تحقیق میں ڈاکٹر نجم الاسلام کا نام ایک معتبر حوالہ بن چکا ہے۔

رسالے کی تعریف میں موصول ہونے والے فضلاء کے خطوط، تبصرے اور مضامین ایک الگ فائل میں جمع کرتے جاتے مگر کبھی انھیں رسالے کا حصہ بنانے پر غور نہیں کیا۔ البتہ احباب کی فرمائش اور اصرار پر مذکورہ لوازمہ کتابی صورت میں سامنے لانے کا فیصلہ کیا اور عزیزم پروفیسر انعام الحق عباسی کو یہ کام تفویض فرمایا جو ان شاء اللہ جلد اس فرض سے عہدہ برا ہوں گے۔

وہ ایک ایک لمحے کو کار آمد بنانے کا عزم رکھتے تھے۔ یونی ورسٹی کی ملازمت کے دوران جام شورو آمد و رفت میں خاصا وقت صرف ہو جاتا تھا۔ سوچ بچار، ضروری مطالعے اور کبھی کبھار اونگھنے کے علاوہ اس وقت میں فارسی اشعار کے منظوم اردو ترجمے کا شغل اختیار کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تراجم کا ایک قابلِ لحاظ ذخیرہ یک جا ہو گیا۔ اس میں سے ایک حصہ "دو آہنگ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

دورانِ سفر راقم کو عموماً ڈاکٹر صاحب کی ہم نشینی کا اعزاز حاصل ہوا۔ چناں چہ مذکورہ مشقِ سخن کے

Marfat.com

نتائج سے اکثر مستفید فرماتے۔ غالباً تخلیقی مسرت میں شریک کرنا مقصود ہوتا تھا یا ممکن ہے راقم کو بھی اس طرف راغب کرنا چاہتے ہوں۔ ایسے ہی ایک سفر کے دوران کسی مسودے یا کتاب میں ظہوری کا یہ شعر میری نظر سے گزرا:

شد است سینہ ظہوری پراز محبتِ یار
برائے کینۂ اغیار در دلم جا نیست

چند لمحوں کی توجہ سے میرے ذہن میں اس کا ترجمہ یوں مرتب ہوا:

بھرا ہوا ہے محبت سے یار کی سینہ
جگہ کہاں ہے برائے کدورت و کینہ

میں کچھ دیر تو اس کاوش میں مصروف رہا کہ ترجمے کو "یار و اغیار" کے تضاد سے مزین کر سکوں مگر پھر حوصلہ کر کے یہی ترجمہ ڈاکٹر صاحب کے گوش گزار کر دیا۔ انھوں نے خلاف توقع بہت حوصلہ افزائی کی۔ افسوس کہ میری توجہ دوبارہ اس طرف نہ ہو سکی۔ مذکورہ تصنیف "دو آہنگ" ترجمے اور تخلیق کی بہت سی خوبیوں سے مزین ہے اگر کسی شعر کا سہارا لے کر تعریف کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں:

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

یہاں ایک مثال درج کرنے پر اکتفا کروں گا۔ شعر صائب۔ کا ہے اور ترجمہ ڈاکٹر نجم الاسلام کا:

از بال و پر غبارِ تمنا فشاندہ ایم
بر شاخِ گل گراں نبود آشیانِ ما

ہم بال و پر سے گردِ تمنا ہٹا چکے
اب شاخِ گل کو اپنا ٹھکانہ گراں نہیں

بس کے سفر میں مشقِ سخن اور مطالعے کے ساتھ ساتھ اونگھنے کا تذکرہ بھی گذشتہ سطور میں آیا ہے۔ اس حوالے سے ایک دل چسپ واقعہ یادوں کے نہاں خانے سے جھانکتا ہے۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب کو مائل بہ خواب دیکھ کر کچھ بے تکلف پروفیسر صاحبان نے چند شگفتہ جملے کہے۔ غیر متوقع طور پر ڈاکٹر صاحب نے پلکیں اٹھا کر یہ شعر پڑھا:

شورے شد و از خوابِ عدم دیدہ کشودیم
دیدیم کہ باقیست شبِ فتنہ غنودیم

سننے والوں نے داد دی اور ڈاکٹر صاحب کی گفتگو میں الجھے بغیر دوبارہ عالم استغراق میں داخل ہو گئے۔

یوں تو ڈاکٹر صاحب کی زبان پر کئی صاحبانِ علم کا ذکر رہتا تھا مگر خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، مشفق خواجہ، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر ... جالبی، ڈاکٹر اسلم فرخی،

Marfat.com

ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر سید معین الرحمان، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور ڈاکٹر ظفر اقبال کا تذکرہ فرماتے۔ ان حضرات کی علمی فتوحات کا ذکر کرتے اور شاگردوں کو ان کے تحقیقی کاموں سے آگاہ کرتے۔ پرانے اہلِ تحقیق میں سے حافظ محمود خاں شیرانی کے خاص طور پر مداح تھے۔ حافظ صاحب کے پوتے ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کے علمی شغف کا ذکر بھی نہایت محبت سے کرتے۔ "تحقیق" کے شمارہ چہارم میں بڑے ڈاکٹر صاحب پر گوشہ مرتب کیا تو اس کے لیے ان کی تصویر جناب مشفق خواجہ نے فراہم کی اس کا ذکر ایک جذبہ تشکر کے ساتھ فرماتے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کی مرتبہ اردو کی اولین نسوانی خود نوشت "بیتی کہانی" ادارۂ علمی کے تحت شائع کی۔ اس کتاب کی طباعت کے حوالے سے تمام تر کاوش محمد عقیل شاد کے ذمے تھی البتہ پروف خوانی اور اغلاط کی درستی میں ڈاکٹر صاحب کی اعانت کا شرف راقم کو حاصل رہا۔ اس دوران نوآموز مگر متحرک و پرجوش نوجوان محمد عقیل شاد کی کس کس طرح حوصلہ افزائی و رہ نمائی کرتے رہے وہ ان کی عنایتوں اور شفقتوں کا ایک علاحدہ باب ہے۔

شعبے کی صدارت کے زمانے میں جناب مشفق خواجہ کی دعوت پر ہمیں ہم راہ لے کر ہندوستانی اہل علم ڈاکٹر مختار الدین احمد، ڈاکٹر خلیق انجم اور جناب رشید حسن خاں سے ملنے کراچی تشریف لے گئے۔ روانگی کا پروگرام طے ہوا تو ہمارا اشتیاق بڑھانے کے لیے بار بار مختلف حوالوں سے مذکورہ فضلاء اور جناب مشفق خواجہ کا ذکر کرتے رہے۔ نیپا آڈیٹوریم اور ملحقہ ہاسٹل میں ان حضرات کے علاوہ ڈاکٹر وحید قریشی سے بھی شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ انجم صاحب نے بڑی ممنونیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ڈاکٹر وحید قریشی نے ایک زمانے میں بڑی فراخ دلی کے ساتھ اپنے ذخیرۂ علمی کا دروازہ ان پر کھلا رکھا۔ اس دورے میں ڈاکٹر صاحب کے جاپانی شاگرد ماما یا کین سا کو بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر صاحب ماما یا کی محنت، لگن، شرافت اور مشرقی انداز واطوار سے بہت متاثر تھے اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ مذکورہ ملاقات میں علمی لطائف کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر وحید قریشی کی شگفتہ بیانی اور جناب مشفق خواجہ کی بذلہ سنجی نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا۔ ان زعماء سے مل کر ہم لوگ ہاسٹل سے باہر آرہے تھے۔ حسبِ معمول احتراماً ہم ڈاکٹر صاحب سے ایک قدم پیچھے تھے کہ سامنے سے ایک بزرگ آتے ہوئے دکھائی دیے۔ ڈاکٹر صاحب انھیں دیکھ کر رکے، ہاتھ ملایا۔ بزرگوار گویا ہوئے: "شجاع احمد زیبا"۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے احترام آمیز جذبات کے ساتھ کہا: "مشاہیر میں سے ہیں آپ تو، آپ کو کون نہیں جانتا!" شجاع صاحب نے یک دم بڑے جارحانہ انداز میں فرمایا: "ارے میاں! کہاں کے مشاہیر و شاہیر؟" ڈاکٹر صاحب جیسے شخص کے لیے شجاع صاحب کی یہ بلند آہنگی کچھ غیر متوقع سی تھی چناں چہ انھوں نے چند رسمی الوداعی کلمات ادا کر کے بڑی متانت سے سر جھکایا اور قدم آگے کی طرف بڑھا دیے۔ ہم لوگ بہت دنوں تک اس صورتِ حال سے محظوظ ہوتے رہے۔ اس دورے کی خوش گوار یادیں آج بھی ہمارے ذہنوں پر نقش ہیں۔

ڈاکٹر صاحب شعبے کے استادوں اور شاگردوں کو آگے بڑھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ کرم

Marfat.com

فرماتے مگر اس طرح کہ کسی کو خبر ہی نہ ہوتی۔ ۱۹۹۳ء میں انجمن ترقی اردو ہند کی طرف سے مولوی عبدالحق سمنار کا انعقاد ہوا۔ اس کا دعوت نامہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ساتھ مجھے، مرزا سلیم بیگ اور سید جاوید اقبال کو بھی موصول ہوا۔ انہی کی حوصلہ افزائی سے ہم نے کانفرنس پیپر مکمل کیے مگر افسوس کہ اجازت کے پیچیدہ طریقِ کار اور ویزے میں تاخیر کے سبب اس سفر کی نوبت ہی نہ آئی، البتہ ہمارے مضامین انجمن کے جریدے "اردو ادب" میں شائع ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب نے اشاعتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے محدود پیمانے پر دو ادارے بھی قائم کیے۔ ایک ادارۂ علمی اور دوسرا ادارۂ اردو۔ اول الذکر کے سب کچھ وہ خود ہی تھے تاہم ادارۂ اردو کی صدارت مادام رابعہ اقبال کے سپرد کی اور مجھے معتمد مقرر فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کی چار کتابیں مطالعات، دین و ادب، دو آہنگ اور رسمیاتِ مقالہ نگاری اسی ادارے کے تحت شائع ہوئیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو ان کے بقیہ کام کی تدوین و اشاعت کا سلسلہ بھی ادارۂ اردو ہی کے ہاتھوں شروع ہو کر انجام کو پہنچے گا۔

اشاعتی سرگرمیوں اور طلباء کی حوصلہ افزائی کے ضمن میں ایک بات اور لائقِ ذکر ہے۔ ۹۱-۱۹۹۰ء میں ڈاکٹر صاحب کی تجویز اور عملی مدد سے شاگردوں نے پکنک فنڈ ایک مختصر کتاب کی اشاعت پر صرف کیا۔ اسے شعبے کے ماہر اور ینٹل ٹائپسٹ اور ڈاکٹر صاحب کے پرجوش معاون محمد عقیل شاد نے ٹائپ کیا۔ راقم نے ٹائپ کے مدھم حروف کو قلم سے روشن کرنے کی کوشش کی، اس طرح "مضامینِ یومِ غالب" کے نام سے محدود وسائل میں یہ کتاب شائع کی گئی۔ معیار کے لحاظ سے اگرچہ یہ ایک عام سی طالب علمانہ کاوش ہی کہی جا سکتی ہے مگر اصل چیز اس کی اشاعت کے پس منظر میں کارفرما وہ جذبہ تھا جسے ڈاکٹر صاحب ہمہ وقت زندہ و متحرک دیکھنے کے آرزومند تھے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی جذبے کے زیرِ اثر شعبے کے متعلقین نے اشاعتِ کتب کے ساتھ ساتھ رسالوں کے اجراء کا ایک سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ "انشاء"، "نئی عبارت"، "لوحِ ادب"، "تحریر"، "پہچان" اور خیرپور یونیورسٹی سے پروفیسر محمد یوسف خشک کی زیرِ ادارت شائع ہونے والا تحقیقی جرنل "الماس" اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ناکامیوں سے کام لینا جانتے تھے۔ ہم میں سے کسی کو پریشان یا بے حوصلہ پاتے تو نصیحت کرتے کہ "کاندھے کے بوجھ کو سرمایۂ حیات بنانے کا فن سیکھیے صاحب!"۔ نصیحت کرنے کا انداز بھی منفرد تھا، پہلے تو معذرت کرتے، پھر فرماتے: "بھئی بڑھتی ہوئی عمر کا الاؤنس دیجیے ہمیں"۔ کبھی فرماتے: "طول کلام کو ہماری کمزوری سمجھ کر معاف کر دیجیے صاحب!"۔ نہ کسی کی توہین کرتے نہ کسی کو شرمندہ کر کے خوش ہوتے اور نہ ہی کسی معاملے میں احسان جتاتے۔ صدرِ شعبہ کی حیثیت سے متعدد صبر آزما اور حوصلہ شکن مراحل سے دوچار ہوئے مگر کبھی جذبات کی رو میں نہیں بہے۔ ایسے مواقع پر ہمیشہ زبان کی مثال دیا کرتے کہ کس خوبی سے بتیس دانتوں کے درمیان رہتی ہے۔

کوئی اچھی بات سنتے تو رفقاء تک پہنچانے کی سعی کرتے۔ شعبۂ انگریزی کے پروفیسر غنی شیخ سے خاص موانست تھی۔ مذکورہ معاملے میں وہ بھی ڈاکٹر صاحب کے ہم ذوق ہیں ایک مرتبہ انھوں نے لکھ کر بھجوایا کہ: "ہم پر جو بھی مصیبتیں آتی ہیں وہ اپنی زبان ہی کے سبب آتی ہیں"۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تحریر کو اپنے دفتر میں نمایاں جگہ

Marfat.com

پر آویزاں کروادیا۔ اسی طرح آج بھی یہ عربی مقولہ ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں شعبے کی زینت ہے:

"افعل حتیٰ اقول" یعنی پہلے تم کچھ کر کے دکھاؤ تو میں کچھ کہوں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے گذشتہ دور کی شاعری خود تو کبھی نہ سنائی مگر حبیب ارشد صاحب سے ان کا یہ شعر سننے کو ملا:

ناقد تری ہر تنقید بجا کچھ کر کے نمونہ بھی تو دیکھا
کہنے کو تو سب ہی کہتے ہیں یہ کام غلط وہ بات غلط

اچھے شعر کے لیے ہمیشہ کلماتِ تحسین ادا کرتے اور کلام میں خامی کی صورت میں بے دریغ اپنی رائے کا اظہار فرمادیتے۔ صائب کا یہ شعر میں نے پہلے پہل انھی کی زبان سے سنا۔

صائب دو چیز می شکند قدرِ شعر را
تحسینِ ناشناس و سکوتِ سخن شناس

تعقید کا عیب دیکھتے تو فرماتے: "بھلے مانس نے کلام کا قیمہ بنادیا"۔ یا کہتے: لفظوں کو کھینچ کھانچ بھینچ بھانچ کر مصرع میں ٹھونس دیا ظالم نے"۔

روزمرہ گفتگو میں بعض مخصوص جملے ان کی زبان سے ادا ہوتے۔ مثلاً کسی اختلافی امر سے پہلو بچانا مقصود ہوتا تو فرماتے: "اس چکر مصیبت میں ہم نہ پڑیں گے بھائی!"، خرابی حالات میں مشورہ دیتے: "سر بچایئے صاحب!" ایک جیسے دفتری کام کی تکرار پر یوں تبصرہ کرتے: "پھر وہی رپورٹ پٹواری مفصل!" اپنے کام پر توجہ دینے کی نصیحت کرتے ہوئے کہتے: "اِدھر اُدھر نہ دیکھیے بھائی!" یا فرماتے: اچھے شکاری کی طرح نشانے پر نگاہ چاہیے صاحب!" کسی معاملے میں تحقیق میں کمی دیکھتے یا کہیں جلد بازی کا شائبہ ہوتا تو فرماتے: "تحقیق مچھلی کا شکار ہے بھائی! صبر چاہیے"۔ حوصلہ افزائی کے لیے عموماً نہایت نرمی اور شفقت کے ساتھ ایک خاص انداز میں لفظ "شاباش!" ادا کرتے۔

۹۱۔۱۹۹۰ء اور اطراف کے چند سال صوبہ سندھ میں امن وامان کی صورتِ حال خاصی خراب رہی تھی۔ امن اور اخلاقی وانسانی اقدار کی ابتری کے اس دور میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ایک افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ جام شورو سے یونی ورسٹی پریس اولڈ کیمپس آنے کے لیے جنرل بس میں سوار ہوئے تو بعض شرپسندوں نے جامعہ کے مرکزی کتاب خانے کے قریب انھیں گھیر لیا۔ زدوکوب کرنے کے بعد اپنے ساتھ لے جانا چاہا مگر ایک خاتون پروفیسر کی جرأت مندانہ مداخلت پر جان بچی۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ اطلاع ملتے ہی یونی ورسٹی حکام، اساتذہ، شاگردوں، احباب اور اخباری نمائندوں نے ملنے کی تگ ودو شروع کردی مگر ڈاکٹر صاحب ملاقات سے گریز کرتے رہے۔ یونی ورسٹی ٹیچرز ایسوسی ایشن نے اپنے جلسے میں قراردادِ مذمت منظور کی لیکن خود ڈاکٹر صاحب نے اس معاملے پر کبھی لب کشائی نہ کی۔ ان جیسے غیر وابستہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والے صاحب علم کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے پر ہر دردمند نے اظہار افسوس کیا۔ ان کے صبر وسکوت نے ہمارے دلوں

Marfat.com

...ان کی عظمت کا نقش اور گہرا کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب دفتری امور کی انجام دہی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ملازمت کے قواعد ان کی انگلیوں کی ...ک پر تھے۔ خصوصاً یونی ورسٹی کے ضابطوں اور قوانین پر تو انھیں حیران کن حد تک دست رس حاصل تھی۔ ادھر ...ئی دفتری مسئلہ سامنے آیا ادھر ان کی طرف سے حل پیش ہوا۔ ان کے دور میں کبھی کوئی کام التواء کا شکار نہیں رہا۔ ...رکاری اور غیر سرکاری خطوط کا جواب بروقت روانہ کرتے۔ اس معاملے میں بڑے ڈاکٹر صاحب کی مثال دیا ...رتے۔ پڑھنے والوں کی سہولت کے لیے حکامِ بالا کی طرف سے موصولہ اطلاع ناموں کے ضروری حصے نشان زد ...رما دیتے۔ کسی سے رقم وصول کرتے یا کوئی چیز امانتاً ان کے پاس ہوتی تو یادداشت کے لیے ایک پرچی لگا دیتے۔ عام معاملات میں یادداشت اچھی نہ تھی مگر علمی اور تحقیقی امور میں بلا کا حافظہ پایا تھا۔ اس ضمن میں پوچھنے پر ایک مرتبہ یہ وجہ بتائی کہ "حافظے کا تعلق دلچسپی اور ترجیحات سے ہے۔ دیکھیے ایک دکان دار کیسے چھوٹی بڑی ہزاروں اشیاء کے نام یاد رکھتا ہے"۔

مسز فہمیدہ شیخ دوبارہ چیئر پرسن مقرر ہوئیں تو انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو ایک بار پھر شعبے کے بورڈ آف اسٹڈیز میں شامل کرایا۔ بورڈ کے بیرونی اراکین پروفیسر حبیب ارشد، ڈاکٹر فدا انصاری اور پروفیسر شاہدہ فاروق کے ساتھ انھیں خصوصاً بہ طور ماہر شامل کیا گیا۔ ہم سب خوش تھے کہ ایک مرتبہ پھر ان کے علم اور تجربے سے فائدہ اٹھائیں گے مگر افسوس کہ ہمیں صرف ایک اجلاس میں ان کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہو سکا۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

شعبے کے امور مشورے سے انجام دینے کی کوشش کرتے۔ کلاسوں یا امتحانات کا نظام الاوقات مرتب کرنے سے لے کر اساتذہ میں نصاب کی تقسیم تک ہر معاملے میں رائے ضرور لیتے۔ پرائیوٹ طلباء کے جامع زبانی امتحان میں تمام اساتذہ کو شریک کرتے فرماتے تھے کہ اس طرح نئے استادوں کی تربیت ہوگی کیوں کہ آئندہ انھی کو یہ سب کچھ سنبھالنا ہے۔

سفارش ہمارے عہد کا ایسا ناسور ہے جو ہمارے جسدِ قومی کے ہر حصے میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کو کبھی کسی سفارش پر کان دھرتے نہیں دیکھا۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ کسی کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی ان سے کوئی ایسی فرمائش کرنے کی۔ کوئی نادان کچھ کہہ بھی دیتا تو ڈاکٹر صاحب کے متغیر چہرے سے اسے جلد اپنی غلطی کا اندازہ ہو جاتا۔

معمول تھا کہ ہر صبح اپنے دفتر پہنچ کر اساتذہ کے ساتھ چائے پیتے اور غیر رسمی گفت گو کرتے۔ اس نشست میں بھی ان کی یہی کوشش ہوتی کہ کوئی علمی نکتہ زیرِ بحث آئے۔ اس دوران شعبے سے متعلق ذمے داریاں تقسیم کرتے، مختلف کاموں کی رپورٹ لیتے، کبھی کوئی دل چسپ قصہ بھی سناتے۔ مختلف امور میں مشورہ طلب کرتے کوئی رائے پسند آجاتی تو ایک خاص انداز میں رائے دینے والے کی طرف نگاہِ تحسین ڈالتے، کبھی زبان سے "شاباش!" یا کوئی کلمہ تائید ادا کرتے۔ مختلف موضوعات اور کتابوں کی طرف متوجہ کرتے۔ کبھی اس نشست کو

Marfat.com

باقاعدہ مجلسِ تحقیق و مذاکرہ کی شکل دے دیتے۔ مادام رابعہ اقبال، مسز فہمیدہ شیخ، سید جاوید اقبال اور راقم کے علا
اگر کبھی ڈاکٹر سعدیہ نسیم اور مرزا سلیم بیگ بھی موجود ہوتے تو محفل کی رونق دوبالا ہو جاتی۔ ڈاکٹر سعدیہ نسیم
پان آلود قہقہے اور برادر سلیم بیگ کے تخلیقی شان کے حامل طولانی قصے مزہ دے جاتے۔ ایسے موقع پر سب
یک جا پورا ہونے کی خوشی ڈاکٹر صاحب کے چہرے سے چھلک چھلک جاتی۔ میں نے اپنی ملازمت کی ابتداء میں دیک
کہ پروفیسر ڈاکٹر مولانا ابوالفتح صغیر الدین بھی یونی ورسٹی پہنچ کر پہلے شعبہ اردو تشریف لاتے اور پھر اپنے دفتر کار
کرتے۔ نجم الاسلام صاحب ازراہِ تفنن ان سے فرمایا کرتے مولانا آپ ہمارے ہی شعبے میں تبادلہ کرا لیجیے۔ مولا
جواب دیتے ایسے "کھاتے پیتے" شعبے میں آنے سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب دستوری (خاص
قسم کے سینڈوچز کو میڈم رابعہ نے یہ نام دے رکھا تھا)۔ کے علاوہ چائے بھی گھر سے بنوا کر لاتے تھے۔ ان کی اپنی
خوراک تو ہمارے حساب سے نہ ہونے کے برابر تھی۔ چناں چہ اس دستوری کے غالب حصے پر ہم لوگ اپنی مہر لگ
دیتے تھے۔ مادام رابعہ اقبال سے تو خاص طور پر فرمائش کر کے نئی نئی ڈشیں منگوائی جاتیں۔ ایسے مواقع پر نت نئے
پکوان موضوعِ گفت گو ہوتے اور ڈاکٹر صاحب اس باب میں بھی وسیع معلومات کا اظہار کرتے۔ اس نشست میں کبھی
گذشتہ ادوار کی یاد تازہ کی جاتی، بڑے ڈاکٹر صاحب، پروفیسر اظہر قادری، ڈاکٹر خان رشید، پروفیسر حمایت علی شاعر
اور ڈاکٹر نعیم ندوی کا ذکر ہوتا۔ کبھی بات تقسیمِ برصغیر کی طرف نکل جاتی تو ڈاکٹر صاحب ایک خاص جذبے کے
ساتھ میرٹھ کا ذکر کرتے، دلی کے سفر کا حال سناتے، رسالہ معیار کے بارے میں بتاتے جو ان کے ادبی ذوق و شوق کا
اولین قابلِ قدر نمونہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب پاکستان آئے تو ان کے پاس ماہ نامہ "معیار" کی فائل مکمل نہ تھی۔ حیدر آباد
میں اتفاقاً ان کی ملاقات سید اشفاق حسین جعفری صاحب سے ہو گئی جو "معیار" کے خریدار رہے تھے انھوں نے
بہت سے پرچے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیے۔ نجم صاحب نے کبھی اس بات کو فراموش نہ کیا اور ہمیشہ
ان کا ذکر بڑی محبت سے کرتے رہے۔

اساتذہ میں سے کسی کی طرف سے کھانے پینے کی کوئی چیز شعبے میں لائی جاتی تو "چکھنے" سے پہلے ضرور
پوچھتے: "Vote of thanks for?"۔ یہاں چکھنے کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ ذیابیطس کے سبب وہ ناپ
تول کر خوراک لیا کرتے تھے۔ ہم نے انھیں اس معاملے میں بھی کبھی تجاوز کرتے نہیں دیکھا۔ ان کی اس مجبوری
کے تحت ہم لوگ "شکر کی کمی" اکثر چھپ کر پوری کرتے۔ کبھی ڈاکٹر صاحب ہمیں رنگے ہاتھوں پکڑ بھی لیتے تو
مسکرا کر Ok, Ok کہتے ہوئے اپنے دفتر کا رخ کرتے۔

ان کا بیگ عمرو عیار کی زنبیل سے کم نہ تھا۔ اس میں سرکاری مہر، قلم، کاغذ، قینچی، بلیڈ، سوئی، تاگا، ٹیپ،
گوند اور پسندیدہ سینٹ سمیت کئی ضروری چیزیں موجود رہتیں۔ اس حوالے سے ایک واقعہ خوب مزے لے کر
سناتے کہ نقوش لاہور کے دفتر میں بیٹھے ہم اپنا ایک مسودہ دیکھ رہے تھے۔ کچھ ترمیم و اضافے کی ضرورت محسوس
ہوئی، محمد طفیل صاحب نے کہا: "کاغذ چاہیے؟" ہم نے جواب دیا: "نہیں شکریہ! ہمارے پاس موجود ہے"۔
انھوں نے قلم بڑھایا، ہم نے کہا "نہیں چاہیے"۔ کچھ دیر بعد بلیڈ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انھوں نے کہا: "ہم

Marfat.com

منگواتے ہیں"۔ ہم نے جواب دیا: "بریف کیس میں موجود ہے"۔ اس کے بعد گوندیا قینچی، غرض وہ پیش کش کرتے رہے اور ہم ہر مرتبہ یہی کہتے رہے: "نہیں صاحب! ہمارے پاس ہے"۔

ڈاکٹر صاحب کسی سے ملاقات کو جاتے تو راستے میں اسی بریف کیس سے خوش بو نکال کر خود بھی لگاتے اور اگر کوئی ہم راہ ہوتا تو اسے بھی معطر کر دیتے۔ کبھی کا شکار ہونے پر یہ بریف کیس مختلف قسم کی ڈائریوں، فائلوں، کاغذات یا مسودات کی ذخیرہ گاہ قرار پاتا۔

سفر کے دوران ہم میں سے کسی کو کرایہ ادا کرنے کی اجازت نہ تھی۔ فرمایا کرتے: "یہ ہمارا فرض ہے"۔ "بڑوں کا یہی طریقہ رہا ہے"۔ یا کبھی کہتے: "بھئی! ہم نے یوں ہی دیکھا ہے"۔ یا "یہ علی گڑھ کی روایت ہے بھائی!" کسی کام کے لیے روانہ کرتے تو پہلے سفر خرچ ہاتھ میں تھما دیتے۔ ان کی اصول پسندی اور اس سے بڑھ کر محبت کی وجہ سے کسی کو انکار کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ ہمیشہ اپنے تجربات سے ہمیں فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے مثلاً ایک مرتبہ نصیحت فرمائی کہ سفر کے دوران رقم ایک جیب میں نہیں ہونی چاہیے۔ گرمیوں میں لو اور سردیوں میں ٹھنڈے سے بچنے کی تاکید بھی اسی جذبے کے تحت فرماتے۔

کسی کام میں حصہ ملانا ہوتا تو ہمیشہ دوسروں پر سبقت لے جاتے۔ کہا کرتے: "بھائی! ہمیں اضافی الاؤنس ملتا ہے"۔

شہرت سے گریز ان کی شخصیت کا ایک اور نمایاں پہلو ہے۔ برادرم اختر سعیدی نے چاہا کہ ڈاکٹر صاحب "جنگ" کراچی کے لیے انٹرویو دینے پر آمادہ ہو جائیں مگر متعدد مرتبہ اصرار کے باوجود پہلو بچا گئے۔ اپنی ذات کے حوالے سے کچھ لکھوانا بھی انھیں پسند نہ تھا۔ شعبے کے استاد سید جاوید اقبال خوش قسمت ہیں کہ ان کی نگرانی میں ایک طالبہ نازنین سلیم نے ایم اے کا مقالہ بہ عنوان "ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کے نام در شاگرد" تحریر کیا۔ اس مقالے میں نجم صاحب سے متعلق بنیادی معلومات یک جا ہو گئی ہیں۔ عام طور پر ایسے معاملات میں وہ سرد مہری اختیار کر لیتے۔ کراچی سے محترم نور احمد میرٹھی (مرتب غیر مسلم شعراء کا عالمی تذکرہ) نے چاہا کہ "تذکرۂ مشاہیر میرٹھ" کے لیے ڈاکٹر صاحب اپنے احوال سے مطلع فرمائیں کئی مرتبہ کی یاد دہانی کے باوجود انھوں نے دوسرے کاموں کو اس پر مقدم رکھا۔

کسر نفسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اپنے مجموعۂ مقالات کا نام "مطالعات" رکھا۔ ہم لوگوں نے متعدد نام تجویز کیے مگر بیش تر محض اس سبب سے رد ہو گئے کہ ان میں کسی نہ کسی حد تک خود نمائی کا انداز یا ادعائی پہلو ظاہر ہوتا تھا۔ اپنی مطبوعات میں اپنے نام کے ساتھ عموماً پروفیسر اور ڈاکٹر کا سابقہ لگانا بھی ضروری نہ سمجھتے۔

بعض اوقات چٹکلوں میں کام کی باتیں کہہ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ باتوں ہی باتوں میں کسی نے پوچھا: "پروفیسر بڑا ہوتا ہے یا ڈاکٹر؟"۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد جواب دیا: "بھئی! ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ ڈاکٹر تین سال میں بنتا ہے اور پروفیسر تیس سال میں"۔ اسی طرح کسی نے پوچھا: "ڈاکٹر صاحب! طویل سرکاری اجلاسوں میں اپنے مزاج کے خلاف شریک ہونا کیسا لگتا ہے"۔ فرمایا: "بھئی ہم تو بڑے ڈاکٹر صاحب کے طریقے پر عمل

Marfat.com

کرتے ہیں یعنی جب سب سنجیدہ ہوں تو چپ بیٹھے رہیے اور سب ہنسیں تو آپ بھی ہنس دیجیے"۔

کسی بھی موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے ایک عرصے تک غور و فکر کرتے۔ ان کے بیش تر مقالات دس دس اور پندرہ پندرہ سال کی تحقیق و جستجو اور محنت و ریاضت کا ثمر ہیں۔ اپنے شاگردوں کو بھی صبر اور احتیاط کا مشورہ دیتے۔ اس ضمن میں پکانے کی اصطلاح استعمال کرتے۔ ایسے موقعوں پر فرماتے: "خوب پکا لیجیے صاحب!"۔ اسی احتیاط کے سبب ان کے کئی تحقیقی کام پردۂ خفا میں رہے۔ پی ایچ ڈی کا مقالہ شمالی اردو نثر کے حوالے سے ایک اہم تحقیقی دستاویز ہے مگر تادمِ آخر محض ایک معاملے میں تشفی نہ ہونے کے سبب شائع نہ کرایا۔

ڈاکٹر صاحب مبالغے کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز کرتے۔ کسی اہلِ علم کی تعریف مقصود ہوتی تو فرماتے: "فضلاء میں شمار ہوتے ہیں"۔ "مشاہیر میں شامل ہیں"۔ "تحقیق کے فن میں بڑھے ہوئے ہیں"۔ یا "علم مجلسی میں بہت آگے ہیں صاحب!"۔ ہماری گفت گو یا تحریر میں عقیدت، مروت یا محبت کے سبب کسی کے بارے میں مبالغے کے الفاظ دیکھتے تو فوراً اپنے مخصوص انداز میں متوجہ کرتے: "توازن چاہیے صاحب!" یا "کچھ کم کیجیے صاحب!" اسی طرح بے جا تنقید یا تنقیص بھی ناپسند تھی۔ اختلاف رائے کرتے ہوئے بھی متعلقہ شخص کے ادب و احترام کا خیال رکھتے۔ فرماتے: "ہم یہی سمجھے ہیں بھائی!" یا "ہماری رائے آپ سے مختلف ہے لیکن غور کریں گے آپ کی بات پر بھی"۔ یا "کوئی بات حرفِ آخر نہیں، فی الوقت تو ہماری سمجھ میں یہی آ رہا ہے، سوچیں گے۔ آپ کا نقطہ نظر بھی صحیح ہو سکتا ہے"۔ ہم سے بھی ایسی ہی احتیاط کے متقاضی رہتے تھے۔ ہمیں ایسے ہی کسی موقع پر جتانا مقصود ہوتا تو کہتے: "بھائی! احتیاط کا دامن نہ چھوڑنا چاہیے"۔ یا کہتے: "تحریر میں نوکیں محسوس ہو رہی ہیں، نرمی چاہیے صاحب!"۔

اساتذہ کے ساتھ ساتھ دیگر اسٹاف سے بھی محبت اور شفقت کا برتاؤ فرماتے۔ کلرک کو ہمیشہ بابو صاحب کے نام سے پکارتے۔ شعبے کے نائب قاصد عبدالغفور کی غائب دماغی، غیر ذمے داری اور افیون کھانے کی عادت سے شعبے کے وابستگان خوب آگاہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عبدالغفور کو کوئی کام بتاتے تو رک رک کر اور ایک ایک لفظ پر زور دے کر سمجھاتے۔ پھر دو یا تین مرتبہ بات دہراتے۔ اطمینان کی خاطر کہتے: "ہاں بھئی عبدالغفور! ذرا بتاؤ تو ہم نے کیا کہا ہے؟" عبدالغفور ایک یا دو مرتبہ کی کوشش سے کسی حد تک صحیح جواب دے دیتا تو ڈاکٹر صاحب منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے مخصوص انداز میں مسکراہٹ چھپاتے اور کہتے: "شاباش! عبدالغفور، تم بہت اچھے آدمی ہو۔ ہاں! رسید ضرور لانا"۔ ایسے موقع پر ہم لوگوں سے کہتے "بھلا مانس ہے۔ اس سے کام لینے کے لیے طولِ کلام ضروری ہے"۔ عبدالغفور کی نالائقیوں اور غیر حاضریوں سے تنگ آکر کبھی کوئی مشورہ دیتا کہ ڈاکٹر صاحب! اس کی تنخواہ کٹنی چاہیے، دوڑا چلا آئے گا۔ بلا کر تنبیہ کر دیتے مگر کبھی کوئی سخت کارروائی نہیں کی۔ فرماتے: "افیون نے مت مار رکھی ہے بے چارے کی۔ اس جن کو جب ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں) ہی نے بوتل میں بند نہ کیا تو ہم سے کیا ہو سکے گا"۔ عبدالغفور کو صاف ستھرا رہنے کی تلقین کیا کرتے۔ ہمیں اس سلسلے میں یہ واقعہ سنایا کہ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب نے ایک مرتبہ اس بھلے مانس کی خوب خبر لی، مگر تولیے کے ساتھ۔ پھر شعبے کے طالب علموں نے اسے لے جا کر پانی

Marfat.com

میں اچھال دیا۔ عبدالغفور کی اسی حالت کے سبب اس کی ڈیوٹی اولڈ کیمپس میں لگا رکھی تھی اور دوسرے نائب قاصد محمد جمن کو جام شورو میں متعین کیا ہوا تھا۔ محمد جمن سمجھ داری اور ذمے داری کے حوالے سے نسبتاً بہتر تھا۔

ڈاکٹر صاحب ویسے تو گاہے بہ گاہے نچلے اسٹاف کی مالی مدد کرتے ہی رہتے تھے مگر کسی سرکاری کام سے حیدرآباد شہر یا جامعہ کے اندر کسی جگہ بھیجتے ہوئے بھی کرایہ اور جیب خرچ ضرور عنایت کر دیتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر محمد جمن کو ایک نوٹ دیا۔ چند روز بعد صبح کی نشست کے دوران کسی ضرورت کے تحت جیب سے پیسے نکالے تو دیکھا کہ ایک نوٹ کا آدھا حصہ موجود ہے اور آدھا غائب۔ ڈاکٹر صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ سید جاوید اقبال کے علم میں تھا کہ نوٹ کا بقیہ کہاں ہے؟ توجہ دلانے پر محمد جمن کو طلب کیا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ نصف نوٹ اس نے سنبھال رکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بقیہ نوٹ جمن کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا: "بندۂ خدا! ہمیں اس وقت متوجہ نہ کیا! بھلامانس"۔

گذشتہ دنوں محمد جمن کے انتقال پر از حد ملول ہوئے۔ صدر شعبہ مسز فہمیدہ شیخ سے رابطہ کر کے تعزیت کی اور انھیں مرحوم کے گھر جانے اور ہر ممکن مدد کرنے کی تاکید فرمائی۔

امتحانات کی ڈیوٹی کا اعزازیہ ملتا تو کلرکوں اور نائب قاصدوں کو ان کی اصل رقم سے دگنے عنایت کرتے مگر عبدالغفور اور محمد جمن کو اس خاموش مہربانی کا علم نہ تھا چناں چہ ڈاکٹر صاحب کی سبک دوشی کے بعد انھیں سالانہ اعزازیے کی رقم، اصل کے مطابق ملی تو یہ لوگ بہت پریشان ہوئے اور سمجھے کہ شاید ان کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔

روزمرہ کے امور میں روایتوں کی پاس داری کرتے۔ مثلاً ہوٹل میں بیٹھنے اور راستے میں کھانے پینے کو برا جانتے تھے۔ فرماتے: "ہم نے شرفاء میں یہ وضع نہیں دیکھی"۔ ایک پروفیسر صاحب کو سر راہ کچھ کھاتے پیتے دیکھ لیا۔ بقول افسوس کے ساتھ تذکرہ کرتے رہے کہ "کیسا زمانہ آگیا ہے، ہم نے ایک نہایت معزز و محترم استاد کو ٹھیلے پر چاٹ کھاتے دیکھا ہے۔ صاحب! پہلے کوئی شریف آدمی ایسی حرکت کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ افسوس!" اچھی روایتوں کا ذکر آتا تو بڑے ڈاکٹر صاحب کی زندگی سے مثالیں دیا کرتے تھے۔ کوشش کرتے کہ شعبے کی فضا میں موجود ان کے اثرات قائم اور مستحکم رہیں۔ بعض اوقات سخت گرمی کے موسم میں بجلی فیل ہو جانے پر دوسرے شعبوں کے استاد کمروں سے باہر برآمدے میں کرسیاں جما لیتے مگر ڈاکٹر صاحب یہ بات نہ اپنے لیے پسند فرماتے نہ ہمارے لیے۔ لو کے دنوں میں جام شورو سے واپسی پر ایک تولیا سر پر رکھ لیتے۔ روانگی سے پہلے ہمیں بھی یاد دلاتے "بھئی پانی پی لیجیے"۔ ایک مرتبہ ہم میں سے کسی نے پانی کی آلودگی کے سبب عذر چاہا تو فرمایا: "ماشاءاللہ جوان قدرت کا فلٹر کام کر رہا ہے، پروا نہ کیجیے صاحب!"۔

۱۳ فروری ۲۰۰۱ء کو ڈاکٹر صاحب کے انتقال نے ان کے ہزاروں شاگردوں، خیر خواہوں اور اربابِ علم و دانش کو سوگوار کر دیا۔ متعدد تعزیتی اجلاس منعقد ہوئے اور ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانیوں کا اہتمام کیا گیا۔ اہلِ علم نے اخباری بیانات اور خطوط کے ذریعے اس عظیم علمی نقصان پر دکھ اور تاسف کا اظہار کیا۔ پہلا تعزیتی جلسہ آرٹس فیکلٹی آڈیٹوریم میں ۱۵ فروری کو وائس چانسلر جامعہ سندھ جناب ڈاکٹر رشید احمد شاہ کی زیر

Marfat.com

صدارت منعقد ہوا جس میں شعبہ اردو کے اساتذہ کے علاوہ سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس محترم ڈاکٹر عبدالجبار جو نیجو اور موجودہ ڈین محترم ڈاکٹر قاضی خادم نے بھی ڈاکٹر نجم الاسلام کی وفات پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا اور ان کی علمی و تحقیقی خدمات کو سراہا۔ غزالی کالج لطیف آباد، گورنمنٹ کالج حیدر آباد، شعبہ اردو جامعہ سندھ ،شعبہ اردو جامعہ خیر پور، اور شعبہ اردو جامعہ کراچی میں بھی قرآن خوانیاں اور تعزیتی اجلاس ہوئے۔ ادارۂ انشاء کی تعزیتی نشست راقم کے گھر منعقد ہوئی جس میں مدیر انشاء پروفیسر صفدر علی خاں، پروفیسر شاہ انجم اور پروفیسر رفیق احمد خاں نے اظہارِ خیال کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد ان پر قلم اٹھانے والے پروفیسر سید جاوید اقبال پہلے شخص ہیں۔ ۲۳ فروری ۲۰۰۱ء کے روزنامہ "جسارت" کراچی (فرائیڈے اسپیشل) میں جناب محمد راشد شیخ کی تعزیتی تحریر اس سلسلے کا پہلا مطبوعہ مضمون ہے۔ جامعہ سندھ میں شعبہ انگریزی سے وابستہ ڈاکٹر صاحب کے ایک مزاج شناس پروفیسر غنی شیخ کی پر تاثر انگریزی نظم ان پر کہی گئی پہلی نظم ہے اردو میں جس کی ترجمانی جناب حسین صمدانی نے بڑی محنت اور تخلیقی سچائی کے ساتھ کی ہے۔ رسالہ "انشاء" حیدر آباد ان کی شخصیت پر گوشہ شائع کرنے والا پہلا ادبی رسالہ ہے جب کہ "قومی زبان" کراچی اور "انشاء" حیدر آباد کے خصوصی شمارے تیاری کے مراحل میں ہیں۔ ۱۳ مارچ ۲۰۰۱ء کو ریڈیو پاکستان حیدر آباد سے محترم محمود صدیقی نے ادبی پروگرام مجلہ میں خصوصی گفت گو پیش کی جس کا اہتمام جناب مجاہد عزیز ابن قاصد عزیز نے کیا۔ اس گفت گو کے شرکاء میں راقم کے علاوہ پروفیسر فہمیدہ شیخ (چیئر پرسن شعبہ اردو جامعہ سندھ)، پروفیسر شاہ انجم (گورنمنٹ کالج حیدر آباد)، پروفیسر رفیق احمد خاں (شعبہ اردو جامعہ سندھ) اور پروفیسر انعام الحق عباسی (گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خاں) شامل تھے۔ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب کے علمی و تحقیقی کاموں کی اس سے کہیں بڑھ کر قدر کی جائے گی اور تعزیتی بیانات کی حد سے نکل کر عملی طور پر ان کے مسودات کی جمع آوری اور طباعت و اشاعت کا اہتمام بھی کیا جائے گا۔

اس حکایتِ دراز کو مختصر کرتے ہوئے آخر میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے لیے ایک چھتنار درخت تھے کہ جس کے سائے میں ہم بڑی آسودگی اور اطمینان کے ساتھ وقت گزار رہے تھے۔ چلچلاتی دھوپ کی بے رحم حدت ہمیں چھو کر بھی نہ گزرتی تھی۔ مجید امجد کا یہ شعر بار بار نوکِ زباں پر آتا ہے اور دل کی گہرائیوں میں ایک خنجر سا اترتا چلا جاتا ہے :

اس جلتی دھوپ میں یہ گھنے سایہ دار پیڑ
میں اپنی زندگی انھیں دے دوں جو بن پڑے

مگر یہ کیسی سفاک حقیقت ہے کہ اس کی صرف خواہش ہی کی جاسکتی ہے۔ نہ یہ پہلے ممکن تھا اور نہ اب ممکن ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک تھکا دینے والی مسافت طے کرلینے کے بعد ماندگی کے وقفے میں ہیں۔ اللہ جانے عظمت و سعادت کی کیسی کیسی منزلیں ابھی ان کے لیے چشم و دل فرشِ راہ کیے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

پروفیسر فہمیدہ شیخ

"ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے"

۱۳ فروری صبح ساڑھے دس سے گیارہ بجے کے درمیان، شعبۂ اردو کے دفتر میں اچانک فون کی گھنٹی بجی، میں نے جب فون اٹھایا تو دوسری طرف، وائس چانسلر کے دفتر سے ان کی سیکریٹری کی آواز گونجی "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کے شعبے کے سابق صدر ڈاکٹر نجم الاسلام کا انتقال ہو گیا ہے"۔ کچھ دیر کے لیے تو سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کیا کہا گیا ہے۔ جب دوبارہ پوچھا تو یہی بات دہرائی گئی۔ چند لمحوں کے لیے دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ دل یہ بات تسلیم کر لینے کے لیے آمادہ ہی نہیں تھا کہ ڈاکٹر صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی کہ وہ اتنا جلد ہم سب کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

تین دن قبل ہی ۱۰ فروری کو سید جاوید اقبال کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے سیمینار میں ان کی بہت سے اساتذہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ آرٹس فیکلٹی کے زیادہ تر اساتذہ اس سیمینار میں شریک تھے۔ اس کے علاوہ شعبے کے چند سابق طالب علم بھی موجود تھے۔ ان سب کو ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ان کی ہم لوگوں سے آخری ملاقات تھی۔ اس وقت کسے معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب اب فقط چند دن کے مہمان ہیں۔ نجم صاحب کا اس دنیا سے چلے جانا اس ادارے کے لیے ایک سانحے سے کم نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی کن کن باتوں کو یاد کیا جائے، اگر یہ باتیں ضبط تحریر میں لائی جائیں تو کئی صفحات سیاہ کرنے کے بعد بھی تشنگی باقی رہ جائے گی۔ شعبے میں جہاں تک نگاہ ڈالی جائے ہر شے میں ان کا عکس موجود ہے۔ الماریوں میں "صریر خامہ" اور رسالہ "تحقیق" کے کئی شمارے نظر آئیں گے، جو ہر وقت ان کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ "تحقیق" کے لیے تو ڈاکٹر صاحب نے خود کو وقف ہی کر دیا تھا۔ ان کی زیادہ تر مصروفیات رسالے ہی سے منسلک تھیں۔ رات دن اسی فکر میں لگے رہتے کہ جلد سے جلد رسالہ شایع ہو کر لوگوں تک پہنچ جائے۔ رسالے کی فروخت کا بھی انھوں نے مؤثر انتظام کر رکھا تھا۔ اس سلسلے میں جو رقم موصول ہوتی وہ بلا تاخیر یونی ورسٹی کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیتے۔

اس کے لیے محمد عقیل اور رفیق احمد خاں کا تعاون بھی انھیں حاصل تھا۔ جو آرڈرز ڈاکٹر صاحب کو موصول ہوتے اس کا بینک چالان وہ شعبے کے استاد رفیق احمد خاں کے ذریعے بھجواتے اور وہ تمام کارروائی میرے ذریعے مکمل کر کے رقم جمع کروا دیتے۔ ہم سے جس قدر ہو سکتا ہم انھیں تعاون کرتے لیکن تنہا ڈاکٹر

Marfat.com

صاحب جس طرح اس کام میں منہمک تھے وہ ہمارے لیے بھی حیران کن تھا۔

رسالے کی تیاری کے سلسلے میں وہ کئی چکر پریس کے لگاتے۔ جب پریس منیجر ان سے یہ کہتے کہ صاحب کاغذ اور کیمیکل ختم ہو گیا اور اس کی وجہ سے کام رکا ہوا ہے۔ تب وہ فوراً مجھے فون پر اطلاع دیتے کہ اب آپ رجسٹرار اور ڈائریکٹر فنانس صاحب سے جاکر ملیں تاکہ جلد سامان مہیا کیا جاسکے اور میری پوری یہ کوشش ہوتی کہ اس سلسلے میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہو۔ کیوں کہ مجھے علم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو اس رسالے سے دلچسپی ہے اور وہ اس کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔ آج کے دور میں لوگ وہی کام کرتے ہیں جس میں مالی فوائد حاصل ہوں۔ بر عکس اس کے ڈاکٹر صاحب بغیر کسی غرض کے اپنا کام کیے جاتے بلکہ بعض اوقات اپنی جیب سے بھی رقم لگا دیتے۔ اب فقط ایسے چند لوگ ہی رہ گئے ہیں جو مالی فوائد سے بالاتر ہو کر کام کرتے ہیں۔ جن کا مسلک ہی اداروں کو آگے بڑھانا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیقی صلاحیتوں کو اس طرح اجاگر کیا کہ وہ ''رسالہ تحقیق'' کی شکل میں ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے ہیں۔ اس رسالے کی شہرت سے کون واقف نہیں، پاکستان سے لے کر ہندوستان تک اس کی خوش بو پھیل چکی ہے۔ رسالے نے اپنا وقار قائم کیا ہے۔ بر صغیر پاک و ہند کے نام ور فضلاء کا قلمی تعاون اسے حاصل رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب جیسے شریف النفس، روشن دماغ اور وسیع علم رکھنے والے استاد اپنے شاگردوں کے لیے بھی جستجوے علم کا محرک ثابت ہوتے ہیں۔ وہ کوئی رسمی قسم کے استاد نہ تھے بلکہ اپنے شاگردوں کی ذہنی و فکری تربیت میں انھیں ملکہ حاصل تھا۔ شعبے کے بعض طالب علم جو آج کسی معتبر عہدے پر فائز ہیں ان کے پیچھے ڈاکٹر صاحب جیسے استاد کی تربیت شامل ہے۔ وہ طلبہ کے مسائل بڑی آسانی کے ساتھ سلجھا دیا کرتے۔ اگر کوئی طالب علم پڑھائی میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے تو انھیں یہ علم تھا کہ اسے کس طرح راغب کیا جائے۔ اور ہم نے خود دیکھا کہ انھوں نے کس طرح نالائق شاگردوں کو بھی کام سے لگا دیا۔ وہ اپنے ماتحت استادوں سے بھی ہمیشہ یہی فرمایا کرتے کہ ایک اچھا استاد وہی ہے جو کم زور طالب علم کے دل میں تعلیم کا شوق پیدا کر دے۔

اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ مشفقانہ رہا۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ اصولوں پر انھوں نے کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ ورنہ ان کا مسلک صلح کل تھا۔

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

ایسا بھی نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں کبھی مشکلات کا دور نہیں آیا۔ انھیں بہت سی آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑا، لیکن وہ ثابت قدم رہے اور یہ وقت انھوں نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ گزار دیا۔ ان میں ذمے داری اور صبر و توکل کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب شعبے کے تمام اساتذہ کو ساتھ لے کر چلنے کے قائل تھے۔ جن دنوں وہ شعبے کے صدر تھے، انھوں نے چائے کا ایک وقت مقرر کر رکھا تھا اور سب کو تاکید کی گئی تھی کہ چائے ایک ساتھ مل کر پی جائے گی۔ اس میں بھی چند وجوہات پوشیدہ تھیں۔ ایک مرتبہ خود ہی اس کی وجہ بتلائی کہ ہم یہ اس لیے چاہتے ہیں کہ اس طرح تمام لوگوں کو ساتھ مل کر بیٹھنے کا موقع ملتا ہے اور اس درمیان کچھ کام کی باتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ ویسے تو سب اپنے اپنے کمروں میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور یوں آپس میں مل بیٹھنے سے یگانگت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو

جب تک ڈاکٹر صاحب صدر شعبہ اردو رہے ان کا سب کے ساتھ یکساں سلوک رہا۔ یہاں تک کہ کلرک سے لے کر نائب قاصد تک سب ان سے خوش رہتے اور کوئی بھی شعبہ اردو سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ان لوگوں سے بڑی عزت و شفقت کے ساتھ پیش آتے اکثر ان کی مالی امداد بھی کرتے رہتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی جب تک وہ شخص ہمیں خود نہ بتلاتا۔ سب یہی سمجھتے تھے کہ وہ اسی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

جب پہلی بار رسالہ "تحقیق" کا اجراء ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے تمام اساتذہ سے فرمایا کہ آپ تمام لوگوں کو رسالے کے لیے مقالے دینے ہیں اور آگے چل کر آپ کو خود اس کے فوائد کا احساس ہوگا۔

مقالہ لکھنے کے لیے انھوں نے چند اصول و قواعد بنا رکھے تھے۔ ابتداء میں وہ خود مقالہ دیکھ کر اچھی طرح سے تسلی کر لیتے اس کے بعد ماہرین کو بھجواتے اور جب تک ان کی رائے نہ آجاتی مقالہ نہ چھاپتے۔ رسالے کا معیار قائم رکھنے کے لیے انھوں نے جو اصول و ضوابط بنائے تھے اس پر آخر دم تک کاربند رہے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی کہ حوالہ جات اور حواشی میں کسی قسم کا کوئی سقم موجود نہ رہے۔ زیادہ تر اولین ماخذ کو ترجیح دیتے اور ہمیں بھی اس کی تلقین کرتے کہ جہاں تک ممکن ہو آپ اصل ماخذ تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ بہت مجبوری کی حالت میں ثانوی ماخذ کا حوالہ دے سکتے ہیں۔ مقالات لکھنے کے لیے ڈاکٹر صاحب مختلف طریقوں سے ہم لوگوں کو راغب کرنے کی کوشش کرتے۔ فرمایا کرتے کہ آپ رسالے کے لیے مجھے مقالہ دیجیے اور میری طرف سے ضیافت قبول کیجیے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس رسالے کے لیے جو خواب دیکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کیا۔ اب اس کو جاری رکھنے کے لیے ہم اپنی سی کوشش کرتے رہیں گے اور اس میں ان شاء اللہ مجھے شعبے کے اساتذہ کا تعاون بھی میسر رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ڈاکٹر صاحب جیسی کاوش نہ کر سکیں لیکن جہاں تک ہم سے ہو سکے گا ہم اسے جاری رکھنے کی سعی کریں گے تاکہ ان کی روح کو طمانیت حاصل ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی میں اس عزم کا اظہار بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ شعبے کو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اور ڈاکٹر نجم الاسلام کی روشن شاہ راہ پر گام زن رکھا جائے گا۔

Marfat.com

مکتوبات ڈاکٹر نجم الاسلام
بہ نام
قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

University of Sindh

Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu

سی ۲۷، بلاک سی، یونٹ نمبر ۶
لطیف آباد، حیدر آباد سندھ (۷۱۸۰۰)

Allama I.I. Kazi Campus,
Jamshoro (76080) 'Sindh' Pakistan
Tel. Add: "UNISINDH"

Editor

Prof. Najmul Islam

Ref. No. ________

Dated 26.5. 2000

جناب ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب

ڈاکٹر آفتاب احمد خاں صاحب نے آج صبح آپ کا رقعہ پہنچایا۔ تحقیق کا مطلوبہ شمارہ پیش کرتا ہوں۔ اِس خط کے ساتھ ملفوف ہے۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے دو خطوں کی عکسی نقل بھی منسلک ہے جو مجھے ۲۹ اپریل اور ۲۴ مئی کو ملے ہیں۔ ۲۹ اپریل والے خط میں واردات والی کتاب کا ذکر ہے جو آپ ۵ فروری کو روانہ کرنے والے تھے۔ یہ آپ کی کون سی کتاب ہے؟ میرے علم میں نہیں، دیکھنے کا اشتیاق رکھتا ہوں۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی طرف سے بھی ایک اردو گرام ۲۰ مئی کو ملا ہے جو انھوں نے احمد آباد جانے سے قبل لکھا ہے۔ ان کی اہلیہ کی آنکھ کا آپریشن احمد آباد میں ہوگا جہاں ان کی اہلیہ کے بھانجے انکم ٹیکس کمشنر ہیں۔ دعا کی درخواست کی ہے۔ اپنے حال میں لکھا ہے کہ کمر میں درد رہتا ہے۔ اس درد کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے، مسجد جانے کی خواہش رہتی ہے، اس مقصد سے ایک ڈرائیور بھی رکھ چھوڑا ہے مگر اس کی ناز برداری مشکل سے مشکل تر ہو رہی ہے۔

پچھلے دنوں میرے پیر میں موچ آگئی تھی، اب بھی کچھ تکلیف ہے جس کی وجہ سے معمولات متاثر ہیں۔ سانس گھٹنے کی تکلیف بھی عود کر آئی ہے۔ ملتمس ہوں کہ میرے حق میں بھی دعائے صحت فرمائیے۔

نیاز مند:
نجم الاسلام

بخدمت گرامی جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب،
اورنگزیب ٹاؤن، حیدر آباد سندھ

Marfat.com

Dr. Najmul Islam
Professor of Urdu

C-27, Block-C, Unit No. 6
Latifabad, Hyderabad Sindh, Pakistan.
Ph: 863102

Dated ۳ جولائی ۲۰۰۰ء

جناب ڈاکٹر صاحب!

سلام و آداب

۱- علی گڑھ سے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے دو خط (مورخہ ۱۴ جون اور ۲۳ جون) ملے ہیں۔ عکسی نقل برغرض ملاحظہ پیش ہے۔ پہلے خط میں لکھا ہے کہ ۲۲۳ کا عدد کچھ ٹھیک نہیں (ان کے مرتبہ مکتوبات کی تعداد کے سلسلے میں) اور مزید ۴ عدد مکتوبات اضافے کے لیے بھیجے ہیں۔ جن سے تعداد ۲۲۷ ہو جائے گی۔ کیا ۲۲۳ کا عدد ٹھیک نہیں؟ اور ۲۲۷ کا عدد ٹھیک ہے؟ یا محض تفنن کے طور پر ایسا لکھ دیا ہے۔ از راہ کرم رہنمائی فرمائیں۔

۲- اسی پہلے خط میں آپ کے ایرو گرام کے ملنے کی اطلاع بھی ہے جس پر آپ نے مجھے بھی چند فقرے لکھنے کا موقع دیا تھا۔

۳- دوسرے خط میں آپ کو سلام لکھا ہے۔

۴- فضل کبیر حیرت میں ڈالنے والی کتاب ہے اور بہت کشش رکھتی ہے۔

نیاز مند:
نجم الاسلام

بخدمت گرامی:
جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب
اولڈ کیمپس، حیدر آباد سندھ۔

Marfat.com

Dr. Najmul Islam
Professor of Urdu

C-27, Block-C, Unit No. 8
Latifabad, Hyderabad Sindh, Pakistan.
Ph: 863102

Dated 21.4.2000

جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی خدمت اقدس میں:

جناب ڈاکٹر صاحب!

سلام و آداب

۱- پرانے کاغذات دیکھ رہا تھا - ان میں دبا ہوا آپ کے نام کا ایک مکتوب (مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۹۹ء تحریر کردہ ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب) نکل آیا - ندامت کے ساتھ اب پیش کرتا ہوں - بڑھتی ہوئی عمر میں نادانستہ ایسی غلطیاں ہونے لگی ہیں، معذرت خواہ ہوں -

۲- "یادگار نامۂ قاضی عبدالودود" مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد و ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحبان کا ایک نسخہ موصول ہوا ہے - بغرض ملاحظہ پیش کرتا ہوں - اس میں ایک مضمون میرا بھی شامل ہے جس پر آپ نے ازراہ کرم، میری درخواست پر آخر میں افادات کا اضافہ کیا تھا (ص ۳۲۳، ۳۲۴) -

۳- رسالہ "تحقیق" کا زیر طبع شمارہ آخری مرحلے کی طباعت سے گزر رہا ہے ۴۴۹ صفحات چھپ چکے ہیں، ۶۰ باقی ہیں - اس شمارے میں آپ کا مقالہ بعنوان "سوانح عمری یوسفی: تعارف و تجزیہ" شامل ہے -

نیازمند:

نجم الاسلام

Marfat.com

لطیف آباد
30.1.2001

جناب ڈاکٹر صاحب!
سلام و آداب

عبدالرشید شیخ صاحب آپ کی طرف سے رقعہ اور رقم لائے تھے، وہ میں اسی وقت واپس کر دی تھی اور اپنے رقعے میں طباعت کی نگرانی کے کام سے معذرت چاہی تھی، اپنی کمزور صحت کی وجہ سے۔

آپ کو تکلیف میں اور شدت سے مقالات کی جمع و ترتیب اور انڈیکس تیار کرانے کے کام سے بھی معذرت کیے بغیر چارہ نہیں۔

امید ہے کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں گے اور مجھے دعائے صحت سے نوازیں گے۔

نیاز مند:
نجم الاسلام

27، بلاک سی، یونٹ نمبر 6
لطیف آباد، حیدر آباد سندھ
8.3.2000

جناب ڈاکٹر صاحب! سلام و آداب

مخطوطہ: "گوہر [ایہ] توحید الٰہ الکریم" کی تصحیح کا پرچہ مجھے مل گیا تھا۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے تاکیداً لکھا تھا کہ آپ سے تصحیح کرا لوں۔ اس کے بعد آج ایک اور لفافہ ان کی طرف سے موصول ہوا، اس میں بھی ایک خط آپ کے نام ہے، پیش کرتا ہوں۔ ایک خط میرے نام بھی ہے، اس کا عکس بغرض اطلاع ملفوف ہے۔

نیاز مند:
نجم الاسلام

ممتاز محقق پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام کے سانحۂ ارتحال پر

چند تعزیت نامے

ڈاکٹر مختار الدین احمد

MUKHTAR UD DIN AHMAD
Formerly Professor and Chairman
DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH 202002 - INDIA

علی گڑھ
۲۲/۲/۲۰۰۱ء

مخدوم و محترم دامت برکاتکم السلام علیکم

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی وفات کی اطلاع ملی کیا کہوں کس قدر صدمہ ہوا۔ یہ خبر اچانک اسلام آباد سے ملی کہ خبر دینے والے اگر خالد محمود صاحب نہ ہوتے تو یقین نہ آتا کہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب ہم میں نہیں رہے۔

انھوں نے اپنے وسط جنوری والے خط میں اپنی صحت یابی پر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ یہ بھی لکھا تھا کہ محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی وفات پر تحقیق کا خصوصی شمارہ... کمزوری تو ہے ہی، پھر دوسروں کا بوجھ۔ تاہم ایک عالم کو فیض پہنچ رہا ہے۔

آخر میں لکھا تھا: "مکتوب کا آخری پیرا سرورق کے توسط سے آپ کا عمدہ انشا پردازی کا جیسا چاہیے، سو ہم چھاپ رہے اگلے شمارے میں، جو عنقریب آپ کو مل جائے گا۔" ان کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب سے مضامین طلب کیجیے تو اگلے شمارے میں شامل کر لیں۔ مجھے مستقبل کی فکر ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب، صحت کی کمزوری کے باوجود رسالہ تحقیق کی بقا و ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ ان کی نگرانی میں محترمہ رابعہ اقبال صاحبہ اور شعبہ کے دوسرے اساتذہ اس رسالے کو اسی طرح زندہ رکھیں گے۔

Marfat.com

میرا تو مشورہ یہ ہوگا کہ زیر طبع شمارے کو "تعمیر الاسلام نمبر" قرار دیا جائے کہ مضامین اگرچہ کم ہیں مگر ہوں گے
یہ اعلان کر دیا جائے کہ باقی علمی و ادبی مضامین، اس کے ساتھ کہ مضامین اس کے بارے میں ہوں اور اس کے مضامین و کتابوں کی
فہرست بھی ترتیب سے شائع کی جائے تو خوب ہو۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بڑا نمبر "تعمیر الاسلام نمبر" بنے اس کا گوشہ شائع کیا جائے جب بھی مقصد پورا ہو جائے گا۔

کل صبح خادم محمود ہمراہ تشریف لائے اور گرامی کی شام کو ڈاکٹر منیر احمد صاحب اور جن دوسرے موجود ہیں سلسلہ اسلامیات
سلسلہ میں یکسر لکھنے کی توقع امید ہے۔ ... آئندہ مشغول رہے ... ہو گا۔
بسبب احمد

اسی وقت ظفر الرحمن سلمہ اور حکیم فضل الرحمن کو اطلاع بھی دی اور پھر اللہ بخشی کے عزیز کو بھی خبر پہنچا دی گئی
اور سب سے ضروری کام یہ کیا کہ صدر شعبہ اسلامیات کو اطلاع ~~...~~ کر دی گئی کہ
آج شام کو صدر صاحب کا مرقد ... وہ منتظر تھے ... ان کے
تعلیم کا انتظام کر رکھا تھا اور اساتذہ و طلبا کو ... موجود رہے۔ کل تعمیر عشا
کے وقت میں نے دریافت کیا تو اسی وقت وہ لوگ بس آئے تھے۔
آج صبح ... مجھے ... تو معلوم ہوا وہ حضرات کل رات ... سے
تشریف لے آئے ... آرام فرما ہو گئے، اس وقت ... ہیں۔
موجود ہیں جناب مقالے پڑھے جا رہے ہیں۔
محمود وہ ڈاکٹر ... خیر و عافیت سے آئے اور خیر و عافیت سے ہیں۔ ... شب کو
یا کل ان ... سے ملنے کی خوشی حاصل کروں گا۔
آپ کی صحت و عافیت کے لیے دل سے دعا کرتا ہوں خدا ... کرے
کہ آپ خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکیں
صاحبزادے ... جب ... تشریف لائیں ... گے
خط آیا ہو تو ان کی خیریت سے مطلع فرمائیے گا
درمیان ... ملاقات پر السلام

والسلام

مختار الدین احمد

ڈاکٹر سید معین الرحمان

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن
اعزازِ فضیلت
پروفیسر و صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج، لاہور
ڈین فیکلٹی آف آرٹس

۱۳ فروری ۲۰۰۱ء

استادِ مکرم، تسلیم و تعظیم

محترم ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے سانحۂ ارتحال کی اذیت دہ اطلاع، عزیز گرامی سید جاوید اقبال صاحب نے فون پر دی، دل پر ایک قیامت گزر گئی — آپ کے فیضِ تربیت سے مستفیض ہونے والوں میں وہ ارشد اور ارفع ترین تھے۔ ہمارے عہد اور اپنے ہم عمروں میں حرف حرف محتاط اور معتبر — بے حد صاحبِ نظر، انتھک اور بہت خاموش اور کارگزار — آج ہی محترم مختار الدین احمد صاحب کو علی گڑھ خط لکھ رہا ہوں

آپ کے لیے یہ کتنا بڑا غم ہے، ممکن یک صبر۔ خدا مرحوم کے اہلِ خانہ اور جملہ متعلقین کو صبرِ جمیل عطا کرے اور مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ ترین جگہ اور مقام عطا فرما سکتا ہے۔

آپ کی صحت و سلامتی کے لیے دعا ہائے بسیار و بے شمار کے ساتھ۔ غم میں شریک کل صبح شعبے میں ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کرا رہا ہوں گا۔

معین

بخدمت گرامی
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب قبلہ
حیدر آباد:

Marfat.com

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

۱۵ مارچ ۲۰۰۱ء

جناب رفیق احمد خاں صاحب،

سلام مسنون — نجم الاسلام صاحب کا انتقال ایک ایسا حادثۂ فاجعہ ہے، جس کی شدتِ الم اور رنج و کرب کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہے — ایسی محرومی، جس کی تلافی شاید ہی ممکن ہو — ان کا نعم البدل کہاں سے آئے گا؟ بطور انسان، بطور استاذ، بطور محقق — بس یہی دعا ہے کہ اللہ پاک مرحوم کی مغفرت کرے، اور ان کے درجات کو بلند کرے — آمین

رفیع الدین ہاشمی

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، افضل فضیلت

تاریخ: ۲۲ فروری ۲۰۰۱ء

عزیزم [illegible]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے والد صاحب کے خط کا جواب لکھنے والا تھا بلکہ [illegible]

تو [illegible] ڈاکٹر فضل حق صاحب [illegible] انتقال کی [illegible] خبر سنائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نے علم و ادب کی بڑی خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ

ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل

عطا فرمائے۔ آمین!

سب کو [illegible]

بات ہے۔ اللہ تعالیٰ [illegible] آمین!

گھر میں سب کو [illegible]

[illegible]

محمد مسعود احمد

ڈاکٹر زاہد منیر عامر

شعبۂ اردو، جامعہ پنجاب - لاہور

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

نمبر ....

تاریخ ....

محترمہ! السلام علیکم

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی رحلت آپ کے لیے اور جملہ اہل خاندان کے لیے بلاشبہ ایک ایسے نقصان کی حیثیت رکھتی ہے جس کا کوئی مداوا ممکن نہیں۔ ڈاکٹر صاحب جیسے شخص کا رخصت ہو جانا محض ایک خاندان کا نقصان نہیں بلکہ پوری اردو دنیا کا نقصان ہے۔ جس کے ناتے ان کے خاندان کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ان کے پائے کے محقق اور دانشور ڈھونڈے نہیں ملتے۔ انھوں نے جس طرح خود کو صداقتوں کی تلاش کے لیے وقف کیے رکھا اور جس طرح اردو تحقیق کو ثروت مندی عطا کرتے رہے اس کی مثالیں بہت کم ہیں۔ تاہم موت سے کس کو رستگاری ہے۔ جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے رخصت ہو جانا ہے۔ اہم بات ذخیرۂ آخرت کی فراہمی ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی جملہ حسنات کو ان کے لیے بہترین ذخیرۂ آخرت بنا دیں۔ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں کہ اس مصیبت کے وقت میں یہی بہترین شیوہ ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شریک غم

زاہد منیر عامر

۲۰-۲-۲۰۰۱ء

Marfat.com

جناب اقبال احمد فاروقی

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ)

[illegible] لاہور (پوسٹ بکس [illegible])

19/2/2001 عزیز محترم!

السلام علیکم - آج اخبار وقت کے صفحات میں پروفیسر محمد اسلم کی رحلت کی خبر پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا - [illegible] کے لئے بڑی ہی غمناک [illegible] - اللہ تعالیٰ [illegible] مغفرت میں جگہ دے - اور ان کے [illegible]

حضرت پروفیسر [illegible] ادیب [illegible] اور [illegible]

[illegible] نے ایک جہان کو [illegible] - [illegible]

[illegible] علمی [illegible] اپنی [illegible] ہے مگر انہوں نے [illegible]

[illegible] اور [illegible] سے کام لیا ہے [illegible]

ہوا - [illegible]

کے دانشوروں کے [illegible] نگاہ سے دیکھا گیا ہے

[illegible] کی [illegible]

[illegible] اصحاب [illegible]

[illegible] ان کی خدمات کو [illegible]

ان کی [illegible] ادبی اور علمی [illegible] میں [illegible] ہے جو

[illegible] ہمیشہ [illegible] - [illegible] راجعون

[illegible] - [illegible]

نے [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ آپ کو [illegible]

[illegible] کی توفیق دے

والسلام

اقبال احمد فاروقی

Marfat.com

۲۰ دسمبر ۸۲ء　　　　برادرِ گرامی شاہ انجم صاحب دامت برکاتہم العالیہ

ع۔

السلام علیکم۔ گرامی نامہ تازہ خاکسار میں موصول ہوا۔ ایک عرصے کے بعد یاد فرمایا، سراپا شکر گزار ہوں

ڈاکٹر نجم الاسلام کی رحلت کی خبر اخبار ہی سے پڑھی تھی، بڑا ملال ہوا۔ مرحوم بے پناہ علمی اور

تحقیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ ہی کا علم تھا۔ معاصرین علمی حلقوں میں ان کی وفات سے

علمی خلا محسوس کیا گیا۔ [illegible] تحقیق پر تعزیت نامہ لکھا تھا۔ زیادہ سے زیادہ مجھے کم سے

شمارہ نہیں پہنچا تھا۔

خدا کرے کہ ان کا مجلہ "تحقیق" [illegible] سے جاری و ساری رہے [illegible] حسب

سابق شائع ہوتا رہے۔ میرے پاس ان کے خطوط بھی ہیں۔ ڈاکٹر [illegible]

و سالمیت سے اپنی [illegible] ہو گئی تھی۔

اگر ان کے جانشین خواہ ہمارا بھی ہو یا کوئی [illegible] دانشور کی خواہش ہو [illegible]

تو مجھے تحقیق کے خصوصی نمبر کے لیے [illegible]

اور اس کا [illegible]

کیا [illegible] یا [illegible] کا [illegible]

نام بھی نظر انداز ہو گیا ہے؟

والسلام

رشید احمد ندوی

Marfat.com

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

کراچی ۷۵۹۵۰ ۲۸۶ 20-2-2001

محترم
سلام مسنون۔

ڈاکٹر نجم الاسلام میرے استاد اور مسکو میں پڑوسی بھی تھے
ان کے انتقال کا صدمہ مجھ کو ازحد افسوس اور دکھ ہوا
خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے
آمین
اگر محترم بدرالدین فاروقی صاحب آئے ہوئے ہوں
تو میرا مودبانہ سلام عرض کر دیجئے گا۔

خادم — پروفیسر ممتاز احمد خاں

میاں محمد صادق قصوری
برج کلاں ضلع قصور

16-2-2001

گرامی قدر صاحبزادگان صاحبان

السلام و رحمت۔

کل کے نور کے وقت لاہور میں آپ کے والد گرامی جناب ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی
رحلت کی خبر سن اشد پڑھ کر ازحد دکھ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ کریم ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کی مغفرت و بخشش
فرمائے۔ اور آپ سب لوگوں کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم۔

شریک غم
قصوری

Marfat.com

جناب نفیس احمد شیخ

The "Mehran" Quarterly
SINDHI ADABI BOARD
@ JAMSHORO -Post Code No: 76070
Via: Hyderabad, Sindh, Pakistan
Telephone: (0221) 771276 / Res: 620661
EDITOR

Dated: 16/02/2001.

گرامی

اعلیٰ حضرت مخدوم و معظم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب ڈاکٹر نجم الاسلام کی رحلت کی خبر میرے لئے دلی غم کا باعث ہوئی ہے۔

موصوف محترم آپ کے تلامذہ میں سے ایک نہایت ہی جلیل القدر اور عالی وقار عالم و فاضل تھے۔ اس پر مستزاد ذاتی طور پر اخلاق و کردار کے حوالے سے مثالی شخصیت کے مالک تھے۔ مجھے ڈاکٹر صاحب سے دیرینہ نیازمندی کا شرف حاصل تھا۔ ۱۹۷۶ء کا زمانہ ہے۔ آپ کی ہدایت اور ایما پر وہ "فہرست مخطوطات سندھی ادبی بورڈ" کی تالیف کے لئے بورڈ میں تشریف لائے تھے۔ اس زمانے سے مسلسل، موصوف سے علمی و تحقیقی روابط رہے۔ کئی بار اہل قلم کانفرنس اور دوسرے علمی اجتماعات میں شریک سفر رہے۔ ان کی متانت اور سنجیدگی، شائستگی اور محبت ناقابل فراموش ہے۔

مجھے اس نقطۂ نظر کا بخوبی ادراک ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے علمی مقام اور تمام خصوصیات آپ ہی کی تربیت اور دعاؤں سے عبارت ہے۔ یہ سب آپ کی نظر کیمیا اثر اور فیضان کا اعجاز ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے حوالے سے ازراہ کرم بندہ دیرینہ نیازمند کے دلی تاثرات اور غمگساری قبول فرمائیں۔

امید ہے کہ الحمدللہ آپ بصحت و عافیت بہتر ہوں گے

احترامات فراواں

عقیدتمند
نفیس احمد شیخ
16.02.2001.

Marfat.com

جناب ابو سعادت جلیلی

الہام

۱۹-۲-۲۰۰۱

کرم گسترا! رقعہ گرامی حضرت شما ابن فیرہ ۸ سعم و اکرام قبول فرمائی

حضرت نجم الاسلام کا فریضہ مشرق قسم سے ندیم ایم صبح ۹ آہنی

مسیح معتبر اسد آپ کے سلسلہ دیرائی کا فرمان سید البنی والاذکر کے حضرت نقش بندی کا خاص سلسلہ پہنچا ہو تھا

جہاں سے ملا دہرایا از سر نو نقش کے گرون کر کے اللہم دیر کی لوری از فہم کی تھی۔

ہاں لرت شاد بر منظوم و انجذاب اسے آن مرحوم کے نفحات کی رکاوٹ ایک ذکر از کار جاری رہا۔

مولانا محمد شہزاد مجددی سیفی

حوالہ دار الجی الاثری

تاریخ ۱-۳-۲۰۰۱ء

محترم سید انجم شاہ بخاری صاحب زید مجدکم!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! آپ کا درد بھرا خط موصول ہو کر باعث افسردگی درد ہوا ہے جس کو یہ درد کا مرحلہ ناز دوا اٹھانا پڑا کیوں مرحوم ڈاکٹر نجم الاسلام بھی اللہ کو پیارے ہو گئے، علمی دنیا ایک اچھے فاضل محقق سے محروم ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے لیے بصمیم قلب دعا گو ہوں حق تعالیٰ شانہ آپ کو دینی بعد قلبی تسکین سے نوازے۔ آمین۔ خوش رہیں!

والسلام مع الاکرام۔

الحقیر محمد شہزاد مجددی

مورخہ ۲۹ ربیع ... روز جمعہ

Marfat.com

عکس تحریر

ڈاکٹر نجم الاسلام کا یہ مضمون اُس دور کی یادگار ہے
جب وہ غزالی کالج لطیف آباد سے وابستہ تھے
(اصل مملوکہ شفیق احمد جیلانی)

(۱)

نجم الاسلام

پروفیسر نجم الاسلام
غزالی کالج حیدرآباد

دکنی اردو میں مدحیہ شاعری از نجم الاسلام

(ابتدائی دور)

پروفیسر غزالی کالج ۔ لطیف آباد
حیدرآباد

دکنی اردو میں مدحیہ شاعری کا قدیم ترین نمونہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (متوفی ۸۲۵ھ) کے وہ اشعار ہیں جن میں حمد و نعت مضامین کے بعد خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کی مدح بھی ہے۔ یہ تین مدحیہ قطعوں کی صورت میں ہیں جن کی ہیئت عجیب ہے یعنی ہر نظم کے آغاز میں ایک بیت ہے پھر تین یا چار قوافی بند آتے ہیں (ہاشمی: ۲۸)

خواجہ بندہ نواز کے صاحب زادے سید محمد اکبر حسینی (متوفی ۸۲۳ھ) کے بھی چند مدحیہ اشعار ملتے ہیں مگر وہ کسی نظم کی تمہید کے طور پر آئے ہیں مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ (ہاشمی: ۳۴)

اردو کا پہلا شاعر جس نے کسی بادشاہ کی مدح میں شعر کہے نظامی بیدری ہے جو اپنی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (تصنیف مابین ۸۶۵ - ۸۶۷ھ) کی بدولت شہرت رکھتا ہے۔ اس مثنوی کے آغاز میں حمد و نعت و منقبت کے بعد سلطان علاء الدین بہمنی (متوفی ۸۶۵ھ) کی مدح میں اشعار کہے ہیں (زور: ۱۵)

بہمنی دور کا ایک اور شاعر مشتاق ہے جسے خانوادۂ سلطان محمود شاہ بہمنی (متوفی ۹۲۴ھ) کے دور میں شہرت حاصل تھی۔ وہ اپنے ... اردو کا پہلا قصیدہ گو شاعر ہے۔ اس نے سید برہان الدین شاہ خلیل اللہ کی مدح میں اردو قصیدہ لکھا تھا۔ (زور: ص ۱۶) جیسا کہ ڈاکٹر زور نے صراحت کی ہے مگر نہ ماخذ بتایا اور نہ نمونہ درج کیا۔ البتہ سخنوران ... مرزا صاحب نے مشتاق کے دو اردو قصیدوں کے نمونے دیے ہیں۔ ایک ۲۸ بیت کا قصیدہ ... جس کا مطلع ہے:

فیض کا ساقی دیا دل کو تیرے حب کا شراب　　طبع دیا جو نسیم فہم کے گل کوں شباب

Marfat.com

دوسرا قصیدہ بھی اسی بحر میں ہے اور ۲۶ بیت کا ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

نار کا اے طرز ہے کھینچے دو خار پر قلم　　غمزے کا اے طور ہے گود میں پالے ستم (مخطوطہ

مشتاق کے ہم عصر شعرا میں لطفی اور فیروز قابل ذکر ہیں۔ لطفی نے شاہ محمد کی مدح کی ہے جو خلیل اللہ بت شکن کی اولاد میں سے تھے۔ لطفی کا ایک قصیدہ خواجو کرمانی کے قصیدے (قرطۂ زرد چاک زد صبح سیمیں بدن — رخش ملمع نقاب شمع مرصع لگن) کی زمین پر لکھا تھا جس کا ایک درمیانی شعر یہ ہے:

سرگ کا طوطی پھڑپھڑا مشک خطائی چڑیا　　رات کا عنبر سر پا صبح کی پھوٹی کرن (نوادر: ۱۹)

فیروز بیدری مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم بیدری (متوفی ۹۷۱ھ) کا مرید تھا اور دکنی و فارسی کا خوش گو شاعر تھا۔ فیروز نے ایک مدحیہ مثنوی "توصیف خادم میراں محی الدین" میں حضرت عبدالقادر جیلانی اور مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم کے اوصاف نظم کیے ہیں۔ (نوادر: ۱۹)

امین گجراتی نے جو والیٔ گجرات سلطان محمود شاہ ثانی (۹۴۳ھ - ۹۶۱ھ) کے ندیمان خاص میں سے تھا بہرام اور حسن بانو کی داستان عشق نظم کرنا شروع کی تھی کہ نا تمام چھوڑ کر انتقال کیا اور بعد کو ایک اور شاعر نے اسے پورا کیا۔ اس نظم پر امین نے حمد و نعت کے بعد اپنے مرشد شاہ عالم کی مدح کہی ہے (شمس: ۴۸) [1]

عبدالملک بہروچی سے جو گجرات کا شاعر تھا تین مثنویاں یادگار ہیں۔ ان میں سے ایک مولود نامہ ہے جو ۱۰۰۹ھ کی تصنیف ہے۔ دوسری شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح میں ہے۔ تیسری وفات نامہ ہے (سعادت: ۲۵۶)

شیخ خوب محمد چشتی احمد آبادی (متوفی ۱۰۲۳ھ) نے مثنوی خوب ترنگ میں اپنے مرشد کے اوصاف نظم کیے ہیں اس میں بھی مدحیہ اشعار موجود ہیں۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ - ۱۰۲۰ھ) کا کلیات مطبوعہ ہے۔ اس نے قصیدے بھی کہے ہیں ایک قصیدہ مشتاق کے قصیدے کی زمین میں ہے جس کا مطلع یہ ہے:

آج شہ چین چلیا مشرق نگر تھے شتاب
ڈھال فلک کی اچایا اوشہ عالی جناب

ایک اور قصیدہ بستانِ محمدی کی تعریف میں ہے مطلع یہ ہے:

محمد نانوں تھے بستا محمد کا ہے بن سارا　　سو طوبیاں سوں سہاتا ہے جنت تھے چمن سارا
(ہاشمی: ص ۵۰۵)

سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ - ۱۰۸۳ھ) بھی شاعر تھا۔ عبداللہ تخلص کرتا تھا۔ اس نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے قصیدہ بھی کہا ہے (ہاشمی: ص ۶۰۵)

ملک الشعراء غواصی گولکنڈوی نے سلطان عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں قصیدہ کہا ہے کہ جس میں یہ اشعار بھی موجود ہیں:

---

[1] سعادت مرزا صاحب بہرام و حسن بانو کے مصنف کو امین بیجاپوری لکھتے ہیں (دیکھیے سعادت: ۳۸۰)

Marfat.com

معمور ہو ایک گاؤں میں جو لشکر کی دولت پاؤں میں
تو شکر سوں روئی گاؤں میں جم راج کر اے راج توں

غواصی نے اپنے قصیدے میں برہمنوں کے مظالم کے خلاف بھی سخت صدائے احتجاج بلند کی تھی (سخاوت: ۵۷م)
غواصی نے حضرت غوث اعظم اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی مدح بھی کی ہے۔ ایک قصیدہ رائیہ اس کا محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ - ۱۰۲۰ھ) کی مدح میں ہے جس کا مطلع یہ ہے:

جگ میں جو ہر گشت ہوا فیض بھر یا نو بہار — دھرت کوں رنگیں کیا پھول کھل تھار تھار

غواصی کا ایک قصیدہ فتح ہے جس کا ایک درمیانی شعر یہ ہے:

پنجہ سو تیرے ہاتھ کا اللہ کا ہے نقش نگین — جوہر سو تیری تیغ کا ہے محض زیور فتح کا

اسکی زبان اس قدر صاف ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ بلکہ شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

غواصی کے کلیات میں ۳۵ قصائد ہیں۔ بلحاظ تعداد وہ سب قدیم دکنی قصیدہ نگاروں سے آگے ہے۔ اور غزلوں کے ساتھ ساتھ اپنے قصیدوں پر بھی مفتخر ہے۔ کہتا ہے:

قصیدہ ہور غزل کہنے کے فن میں دیکھتا ہوں تو
غواصی میں ظہیر فاریابی کی نشانی ہے

ظہیر فاریابی کا ایک قصیدہ ہے (سحر چو تافت ز دریائے خاوراں گوہر۔ زمانہ کرد بدرج فلک نہاں گوہر)
اسکی ردیف اڑا کر اور بحر بدل کر غواصی نے قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

دریا میں تجھ جو نکلے بچار اے نگار موتی
سکو یاوے دیکھ تیرا مکھ آبدار موتی (سخاوت: ۱۷م)

ایک اور قصیدہ یوں شروع ہوتا ہے:

شکر خدا جو ذوق پیر ہے ورق گلزار من بہار آج
یعنی ہوا ہے ہر طرف ابر گوہر بار آج (ہاشمی: ۸۴م)

~~اور شاہ عبداللہ کی مدح میں ایک قصیدہ ہے جس کا دوسرا شعر یہ ہے:~~
~~زور یو ... شاہ عبداللہ کوں~~

طبعی ثول کنڈوی نے جو ابوالحسن تانا شاہ (۱۰۸۳ھ - ۱۰۹۴ھ) کا معاصر تھا، تانا شاہ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے اور بادشاہ کے مرشد شاہ راجو کی مدح میں بھی شعر کہے ہیں نمونہ یہ ہے:

ولی توں بڑا ہے کلکر شاہ راجو — چل آیا ہے ستہ ترے گھر شاہ راجو
خبر تیری معلوم نیں بے خبر کوں — خبردار کا نے خبر شاہ راجو
توں مخدوم سید محمد کی کھن کا — بہوت بے بدل ہے گہر شاہ راجو (زور: ۹۱)

Marfat.com

افضل قادری گو مکندوی نے "محی الدین نامہ" نظم کیا ہے۔ اس میں شاہ سلطان ثانی قدس سرہٗ اور اشعر نثر میراں معروف کی مدح کی ہے (سخاوت: ۵۱۶) سلطان عبداللہ کی مدح میں بھی قصیدے لکھے ہیں ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے:

مرا مکھ بھاگر لوچن لب تے پایا ہے موہن لعنوو
جلا سورج گلا چندر ستارہ جوت رنگ عنبر

ملا قطبی سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ - ۱۰۸۳ھ) کا معاصر ہے۔ اس نے ۱۰۴۵ھ میں شیخ یوسف دہلوی کی فارسی منظوم تصنیف "تحفۃ النصائح" کا ترجمہ کیا ہے جو سات سو چھیاسی بیت کا قصیدہ ہے۔ ملا قطبی نے اسکا شعر بشعر ترجمہ کیا ہے۔ (شمس: ۶۸)

ابن نشاطی نے پھول بن (سال تصنیف ۱۰۶۶ھ) میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں شعر کہے ہیں۔ مگر اسکے کسی قصیدے کا علم نہیں۔

ملک خوشنود سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ - ۱۰۸۳ھ) کا حبشی غلام تھا۔ اس نے بھی سلاطین وقت کی مدح میں قصائد کہے تھے۔ علاوہ ازیں ایک مثنوی "جنت سنگار" میں بھی مدحیہ اشعار کہے ہیں جو حمد، نعت، مدح صحابہ، مدح پیر مرشد، مدح ابوالمظفر اور مدح سلطان محمد عادل شاہ غازی پر مشتمل ہیں (سخاوت: ۳۸۶)۔ ملک خوشنود نے ایک موقع پر سلطان عبداللہ کی شان میں ایک ایسا قصیدہ پڑھا کہ بادشاہ پھڑک گیا اور خلعت و انعام کے علاوہ ایک عالی شان عمارت میں اسکی بود و باش کا انتظام بھی کر دیا (زور: ۸۹)

ملک الشعراء نصرتی بیجاپوری مشہور شاعر ہے۔ اسکے قصائد، غزلیات و رباعیات کا مجموعہ مولوی عبدالحق شائع کر چکے ہیں۔ اسکے علاوہ ایک طویل قصیدہ (۱۳۱ بیتیں) الموسوم بہ "چرخیات نصرتی" انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانے میں موجود ہے جو خواجو کرمانی کے قصیدے (بعز طرہ از چاک زد لعبت سیمیں بدن) کی زمین میں ہے۔ یہ زمین خوب چلی ہوئی ہے۔ متعدد دکنی شعرا کے قصائد اسی زمین میں ملتے ہیں۔ ایک مثنوی "گلشن عشق" بھی نصرتی سے یادگار ہے جس میں ہر باب کے آغاز میں بطور تشبیب قدرتی مناظر یا انسانی جذبات کی عکاسی کی ہے اور نعت کے علاوہ خواجہ بندہ نواز کی مدح میں بھی شعر کہے ہیں۔ ایک رزمیہ مثنوی "علی نامہ" بھی کہی ہے جسکے ہر باب کا عنوان ایک شعر ہے۔ عنوان کے ان تمام اشعار کو جمع کیجئے تو قصیدہ لامیہ بن جاتا ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

حمد اول ہے خدا کا کہ جسے روز ازل
دیا ہے ہمت مرداں کو جو توفیق سوں بل

(رفعت : ص ۸۸)

Marfat.com

...ں نے علی عادل شاہ کی مدح میں جو قصیدہ کہا ہے اس کا مطلع یہ ہے:

جب تے جھلک دیکھیا اوک سورج تری تردار کا
تب تے لگیا تھر کا پینے ہو پُر عرق یک بار کا

بیجاپور کے آخری سلطان علی عادل شاہ ثانی المتخلص بہ شاہی (۱۰۶۷ھ - ۱۰۸۳ھ) کو اردو شاعری سے ...ل شغف تھا۔ اس کا کلیات چھپ گیا ہے۔ اس میں چھ قصائد شامل ہیں اور سب کے سب نوع طلب اور ...ت خوب ہیں۔ پہلا قصیدہ حمدیہ ہے۔ قلمی نسخے کے ابتدائی اوراق ضائع ہو جانے کی وجہ سے اول سے ناقص ...ہے اسکے علاوہ ۲۶ شعر دستیاب ہیں۔ حمد کے مضامین نہایت عمدہ اور شاعرانہ طور سے بیان کیے ہیں۔ اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:

جیتے جہاں کے سنبھاں روز کریں تج سرن
سائیں سچا ہے تمہیں سیرا تجے ہے سبھی

دوسرا قصیدہ نعتیہ ہے اور اسکی تشبیب ابتدا میں آسمان کی بہار سے متعلق ہے پھر زمین پر بہار کی کیفیت دکھائی ہے پھر گلاب چنبیلی کا مفاخرہ درج کیا ہے جنکی لن ترانی سنکر مالی گلاب سے کہتا ہے کہ بڑا دعوی نہ کر تجھ سے کہیں بڑی ایک ہستی دنیا میں ہوئی ہے:

وو بولیا باغ مالی سوں بڑا ہے ناؤں سو کس کا
کہیا وہ اسم احمد کا [illegible] جنے دین آپ بنایا ہے

اس پر لطف گریز کے بعد نعتیہ مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ اس قصیدے میں پچاس شعر ہیں۔

تیسرا قصیدہ حضرت علیؓ کی منقبت میں ہے اس میں بھی پچاس شعر ہیں۔ قصیدے کی تشبیب رنگین اور رندانہ ہے کہ ایک عورت اپنے محبوب کے ہاتھوں شراب پیتی ہے۔ اور کیفیت طرب کی واردات بیان کی جاتی ہے۔ تشبیب پر ہندی شاعری کا اثر ہے۔ مقطع یہ ہے:

شاہی ہوا عاشق سوں ناؤں مرتضیٰ کا
سایا ادسیچ کا ہے تس سیس پر دیا کا

چوتھا قصیدہ بارہ اماموں کی منقبت میں ہے اس میں ۱۶۵ شعر ہیں۔ چھوٹے بڑے ٹکڑے کر جیسے قوافی کی زمین سہل اختیار کی ہے۔ تشبیب میں عشق کی مدح سرائی کی ہے۔ آخری شعر یہ ہے:

چاروں پہر دل رات ہت جیت یک دھیان سوں
شاہی ورد کر عشق سوں لیں منقبت دائم پڑھے

پانچواں قصیدہ بعنوان "قصیدہ محل جل" ہے جس سے شاہی کی مراد غالباً قصیدہ لامیہ ہے
یہ قصیدہ علی داد محل کی تعریف میں لکھا ہے اس میں ۶۵ شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے:

Marfat.com

دِسے بج مَن میں اس حوض پہ جیو نایو بخیل
ڈھریا ہے چاند نیں جیوں ٹیک ایس فلک کے آ گل

~~[illegible]~~ کا واقعی محل کی تعریف میں خوب خوب زور کلام صرف کیا ہے سلہ ۔ چھٹے اور آخری قصیدہ کا عنوان "قصیدہ چہار در چہار" ہے یہ سب سے چھوٹا قصیدہ ہے اس میں صرف 19 شعر ہیں۔ مطلع یہ

دیکھو اچھنبا لگیا ہے یو بن نوے گلاں سوں بھر یا ہے سارا
سرو صنوبر سمن کی بیلاں پھلے ہیں پھولاں اچھے ہکارا (رفعت: ص ۵۱۰)

ولی دکنی نے بھی قصائد لکھے ہیں مگر جو شہرت انکی غزلوں کو ہوئی قصیدوں کو نصیب نہیں ہوئی ۔ کلیات میں چھ قصائد موجود ہیں ۔ ولی دکنی پر اس جائزے کو ختم کیا جاتا ہے ۔

کتابیات

زور : ڈاکٹر محی الدین قادری زور : دکنی ادب کی تاریخ ۔ شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۔ ۱۹۶۰ء
ہاشمی : نصیر الدین ہاشمی : دکن میں اردو ۔ شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۔ ۱۹۶۰ء
سخاوت : محمد سخاوت مرزا : تاریخ ادب اردو مرتبہ عبد القیوم ۔ باب ششم و ہفتم تحریر کردہ محمد سخاوت مرزا
رفعت : سید مبارز الدین رفعت : کلیات شاہی ۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ ۔ ۱۹۶۲ء
شمس : حکیم شمس اللہ قادری : اردوئے قدیم ۔ مطبوعہ نول کشور ۔
نوٹ :- سنین کے سلسلے میں بیشتر اردوئے قدیم پر بھروسہ کیا گیا ہے ۔

سلہ ۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ نے بھی اپنے بنوائے ہوئے محلوں کی [illegible] میں قصیدے کہے ہیں اول الذکر نے محل کوہ طور کی تعریف میں قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے :
کہ طور پر سدا سبحان کا اجالا ۔۔۔ تو خلق سرمہ کرتی رحمان کا اجالا
موخر الذکر نے عشرت محل کی تعریف میں قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے :
بولوں دلکشا عشرت محل مطبوع اوتارا ہوا ۔۔۔ جرتی زمین کا پیٹ چوں مشتری [illegible]

Marfat.com

ڈاکٹر نجم الاسلام

سخن ہائے گفتنی

معیار کی یہ افسانوی پیش کش ہے "ابھرتی کرنیں" کے نام سے پیش کیا جارہا ہے، ان افسانوں کا انتخاب ہے جو ابتدائے کار سے اب تک اس میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ہر چند کہ اب اس طرح کے کسی مجموعے کی اشاعت کے لیے وجہ جواز پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ ادبی حلقے ایسے مجموعوں سے بالکل مانوس ہو چکے ہیں۔ ہر ادارہ ایسے انتخاب شائع کیا ہی کرتا ہے۔ ان کی ضرورت اور اہمیت اس لحاظ سے مسلم ہے کہ ایک طرف تو پڑھنے والے کئی کئی سال کے فائل طلب کرنے کی گراں باری سے بچ جاتے ہیں اور ان کو کتابی صورت میں زیادہ سلیقے کے ساتھ ایک مجموعہ مل جاتا ہے، دوسری طرف ان سالوں میں کیے ہوئے کام کے تقریباً تمام روشن پہلو بیک نظر سامنے آجاتے ہیں اور تنقیدی جائزہ لیتے وقت کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ کرنے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ .. فائدوں کی اہمیت اتنی واضح ہے کہ اس طرف غالباً ادنی سا اشارہ کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی، اور یقیناً ہم بھی نہ کرتے۔ اگر ہمارے پیش نظر صرف وہی کچھ ہوتا اور اس کے علاوہ کچھ نہ ہوتا جو عام طور سے ایسے مجموعوں کی ترتیب کے وقت مرتب کرنے والوں کے سامنے ہوا کرتا ہے۔ ہمارے سامنے اس کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے اور وہ بڑی اہم ہے۔ اس سے سرسری طور سے گزر جانے کے بعد پڑھنے والے کبھی اس مجموعے کی صحیح قدر و قیمت کا تعین کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ مجموعہ نہ صرف یہ کہ ایک ماہنامے کے کیے ہوئے دو سال کے کام کا جائزہ ہے، بلکہ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وہ تعمیری نظریہ ادب رچا ہوا ہے، جو پچھلے چند سالوں سے ابھرا ہے اور اب خاصی شدت سے چھاتا چلا جارہا ہے۔ اس مجموعے سے تعمیری ادب کی تحریک کی رفتار کار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

یہ تعمیری نظریہ ادب کیا ہے، اور تعمیری ادب کسے کہتے ہیں؟ اس کا جواب بڑی وضاحت کے ساتھ کئی جگہ دیا جاچکا ہے۔ معیار کے صفحات میں جابجا یہ بحثیں پھیلی ہوئی ہیں، جن سے کم سے کم اطمینان بخش حد تک تو استفادہ کیا ہی جاسکتا ہے۔ یہاں بھی ہم اتنا مجمل طور سے عرض

Marfat.com

کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ تعمیری ادب کو سمجھنا ہے تو آیئے تعمیری نظریۂ ادب کو سمجھنے سے پہلے تخریبی نظریۂ ادب کو سمجھ لیں۔ تخریبی ادب کیا ہوتا ہے؟ یہ سمجھ جانے کے بعد تعمیری ادب بڑی آسانی سے سمجھ میں آجائے گا، اور تعمیری نظریۂ ادب کے بارے میں بھی الجھنیں باقی نہ رہیں گی۔

اب یہ بات تو تسلیم کر ہی لی گئی ہے کہ ادب اور زندگی میں [آئینے اور عکس] والا رشتہ ہوتا ہے، ادب زندگی کا آئینہ ہے اس کا عکاس ہے، ۰۰۰، اور یقیناً اس کا کوئی مقصد بھی ضرور ہوتا ہے۔ اچھا یا برا اس کا سوال نہیں مقصد شعوری ہوتا ہے، یا غیر شعوری، یہ بھی الگ بات ہے، بہر حال کوئی مقصد ہوتا ضرور ہے اور پہلے بھی رہا ہے پہلے اشتراکی ادیب اپنی مقصدیت کے جواز میں دوسروں اور اپنے سے پہلوں کے ادب پر بے مقصدیت کی پھبتیاں اڑایا کرتے تھے، اور زندگی سے الگ تھلگ رہنے کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ مگر اب کچھ نہ کچھ ان کا لہجہ بھی بدل چلا ہے، بے مقصدیت کے طعنے کی جگہ شعوری اور غیر شعوری مقصدیت نے لے لی ہے۔ ایلیا اہرن برگ کا ایک جملہ اس وقت یاد آتا ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے "زندگی کی تصویر کشی تو پہلے ادیب بھی کیا کرتے تھے۔ اس سے پہلے بھی کتابیں لکھی جاتی تھیں، ناول لکھے جاتے تھے، کہانیاں لکھی جاتی تھیں، ان کہانیوں میں اور ناولوں میں اسی زندگی کی عکاسی ہوتی تھی جسے وہ ادیب خود دیکھتے تھے یا جانتے تھے۔ مگر آج اتنا اور ہے کہ ہمارے سامنے ایک سوچا سمجھا مقصد بھی ہوتا ہے اور کتابیں لکھ کر شعوری طور پر ہم زندگی کو بدلنا چاہتے ہیں"۔

بہر حال ادب اور زندگی کا تعلق مسلم ہے۔ مگر اس کے آگے یہ سوال بھی تو آتا ہے کہ آیا وہ ادب زندگی کی تخریب کرتا ہے، اس کے اعلیٰ وارفع مقاصد کو ٹھیس پہنچاتا ہے اور اسے پستیوں کی طرف لے جاتا ہے یا زندگی کی تعمیر کرتا ہے، تعمیر انسانیت کے بلند مقاصد کی تکمیل کرتا ہے اعلیٰ و ارفع معیارِ اخلاق ۰۰۰ ہے۔ یہی اس کی افادیت کا پیمانہ ہے۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ یہی رومانیت اور تخیلیت جو ہمارے ادب پر چھائی رہی ہیں ان سے زندگی بڑی جامد ہو کر رہ گئی ہے۔ افکار پریشان، خیالات بے جان اور تصورات مکڑی کے جالے کی طرح بودے ہو کر رہ گئے ہیں۔ واقعات و حقائق کی تلخیاں آنکھیں موند کر، کان بہرے کر کے اور حواس کو معطل کر کے بھلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی انصاف کا تقاضا یہ بھی تو ہے کہ ہم ذرا بلند ہو کر "واقعیت" کے ان مارکسی مفہومات کے اندرون کو بھی تو دیکھیں، جن کی بدولت ادب میں انتہا درجے کا تخریبی رجحان پرورش پا گیا ہے۔ اس کا پیٹ چاک کر کے ان آلائشوں کی پردہ دری بھی تو کریں جو سرخ بانات کے ملبوسات میں لپٹی ہوئی ہیں۔ اور معلوم کر سکیں کہ [illegible] سے "مارکسی واقعیت" کی یہ

Marfat.com

و نسل پچھلی گزری ہے مادہ پرستی، غیر اخلاقیت، اور مریضانہ جنس پرستی کے کن کن غلیظ انڈوں بچوں اور مکروہ لوتھڑوں کو جنم کر ادب کا راستہ گندہ کرتی چلی گئی ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مرتبہ معیار ہی میں لکھا گیا تھا:

"انسان کا ذہن جب پوری طرح مادیت میں کھو جاتا ہے اور اس کی نظر میں پاکیزہ اخلاقی احساسات و کیفیات کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی تو پھر یہاں سے مارکسی واقعیت کی سرحد شروع ہوتی ہے اور اس کے دائرے میں جو چیز آتی ہے اور پرورش پاتی ہے وہ خالص مادہ پرستی ہوتی ہے، اسی مادہ پرستی اور غیر اخلاقیت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ تخریبی قوتوں کو ابھرنے کا موقع مل جاتا ہے اور تعمیری احساسات دب کر رہ جاتے ہیں۔ جدید اشراکی ادب اسی طرح کی واقفیت کا علم بردار ہے۔ واقعیت [علم بردار] بتانے کو تو یہی بتاتے ہیں کہ خالص تصوراتی ادب کے بجائے زندگی ۰۰۰ اور زندگی کی تگ و تاز میں حصہ لینے پر ابھارنے والا ادب تخلیق کیا جائے لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جدید ادب میں واقعیت کے نام پر جس انتہا پسندی کا مظاہرہ ہوا ہے، وہ اندھا دھند تخریب اور توڑ پھوڑ کی جھلک لے کر ہر قدیم چیز سے بغاوت کی صورت میں نمودار ہوئی ہے، چاہے وہ اچھی ہو یا بری۔ یہ سراسر سلبی مقاصد ہیں، جن کو تعمیری جذبات سے کوئی تعلق نہیں جب تک اثباتی و تعمیری مقاصد نظر کے سامنے نہ ہوں زندگی کی تعمیر میں ادب اپنا حصہ کیوں کر ادا کر سکتا ہے۔ جدید ادب کے علمبردار، ان سلبی مقاصد ہی کو حاصل ادب سمجھتے ہیں۔ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس طرح کی واقعیت ذہن کی ناہمواری میں اضافہ کرتی ہے۔ ادب میں تخریب کا یہ انتہا پسندانہ رجحان تعمیر زندگی اور تعمیر انسانیت کا جذبہ ابھارنے میں قطعاً ناکام ہے۔ یہی اس کی سب سے بڑی خامی ہے۔ مارکسی واقعیت کا یہ فلسفہ تسلیم کرنے والے ادیب ہر تبدیلی، ہر تغیر اور ہر انقلاب کو ترقی کا ہم معنی سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ترقی پسندی نہیں بلکہ صرف تغیر پسندی ہے۔ ایک انتہا سے دوسری انتہا پر پہنچ جانا، اور ایک فاسد نظام کو بدل کر دوسرا فاسد نظام لے آنا تغیر پسندی کا مظاہرہ تو کہا جا سکتا ہے لیکن ترقی کا صحیح مفہوم اس پر چسپاں نہیں ہو سکتا۔ ادب کی تعمیر کے لیے یہی کافی نہیں کہ صرف تبدیلی کا ۰۰۰ دیا جائے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ تبدیلی خوشگوار پہلو رکھتی ہو اور اس خوشگوار پہلو کے لیے ناگزیر ہے کہ ادب کی تعمیر صحیح بنیادوں پر کی جائے۔ اس سے تعمیر انسانیت کے بلند مقاصد کی تکمیل ہو اور اسے اعلیٰ و ارفع اخلاقی معیار سے نیچے کبھی نہ آنے دیا جائے، ورنہ تغیر تخریب بن کر رہ جائے گا۔ جیسا کہ آج ہو رہا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ترقی پسندی تخریب ہی کی جانب دوڑ رہی ہے"۔

Marfat.com

ہو سکتا ہے کہ موجودہ ترقی پسند ادب میں کچھ اچھائیاں بھی ہوں، اور یہ تسلیم ہے کہ قدیم ادب میں جن بہت سی نئی چیزوں کا فقدان تھا ان کو ترقی پسند ادب نے کسی حد تک پورا کیا اور ادب کو زندگی کے لیے نئے رواں دواں مسائل کے قریب لا کھڑا کیا، اور ادیبوں میں ادب کے ذریعے زندگی میں کچھ تبدیلی لانے کا جذبہ ابھرنے لگا۔ لیکن صرف ایک پہلو پر نظر ڈالنے کے بعد اگر ہم اس کی افادیت کا فیصلہ کر ڈالیں تو ہم اپنے فیصلے میں حق بجانب نہ ہوں گے۔ کیوں کہ ترقی پسند ادب کا دوسرا پہلو جس پر فیصلے کا انحصار ہونا چاہیے وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ ترقی پسند ادب کا دوسرا پہلو یہ بھی تو ہے کہ اس کے ذریعے سے مادہ پرستی، بداخلاقی اور جنس پرستی کو پھیلنے کا موقع ملا، اور اب اس پر تخریب کا رنگ چھایا ہوا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترقی پسندی صرف ہر قدیم چیز کی تخریب کا نام ہے، چاہے وہ اچھی ہو یا بری۔

یہ خامی اسی طرح پوری کی جاسکتی ہے کہ ادب کو زندگی کے قریب اس طرح لایا جائے کہ تخریبی رجحانات پرورش نہ پائیں اور بداخلاقی کی نشوونما نہ ہوسکے۔ یہی ادب کی تعمیر کا صحیح طریقہ ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے [اسی لیے] ہم اس ادب کو تعمیری ادب کہتے ہیں۔

اگر کسی کی نظر سے معیار کے چند ایک شمارے بھی گزرے ہوں گے تو چاہے اس نے اپنی سمجھ اور اپنے خیال کے مطابق اسے پسند کیا ہو یا ناپسند، چاہے اشتراکی معیار پر اسے جانچا ہو یا رومانی اور تخیلی زاویہ نظر سے دیکھا ہو، دیکھنے والے کے یہاں قدامت پرستی زیادہ ہو یا جدت پرستی، روحانیت زیادہ ہو یا مادیت، بہر حال کسی معیار پر بھی "معیار" کو پرکھنے کی کوشش کی گئی ہو، کسی پیمانے پر بھی ناپا گیا ہو، کسی کسوٹی پر بھی کسا گیا ہو، کسی زاویے سے بھی اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہو، اور جانچنے والے اور جائزہ لینے والے کے ذہن کی ساخت کسی طرح کی بھی کیوں نہ ہو، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ "معیار" میں عام روش سے ہٹ کر کچھ نئے خیالات، نئے میلانات، نئے رجحانات ضرور پیش کیے گئے ہیں۔ اور پھر اسی طرح یہ بات بھی ناقابلِ انکار ہے کہ یہ عام روش سے علاحدگی اور نئے راستوں کی تلاش اپنے پیچھے بڑی اصلاحی تڑپ لیے ہوئے ہے۔ کوئی اسے "ہشیاری" کہے نہ کہے مگر یہ دیوانگی بھی نہیں۔ فطری بات ہے کہ یہ نیاپن جو موجودہ مادہ پرستانہ اور جنس پرستانہ ادب کے برعکس خدا پرستانہ اور اخلاقی و تعمیری قدروں کو ادب میں سمونے سے نظر آتا ہے کسی کی نظر میں محمود ہوتا تو کسی کی نظر میں غیر محمود بھی ہوگا۔ ہر شخص کا مذاق اور ادبی نقطہ نظر الگ ہو سکتا ہے۔ پھر اس کو اپنی رائے کے اظہار کی آزادی بھی ہے، وہ چاہے تو ایک چیز کے بارے میں اچھی رائے قائم کرے اور چاہے تو بری، مگر

Marfat.com

تھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جس رائے کے پیچھے لاعلمی اور بے خبری کار فرما ہوتی ہے وہ بے وزن ٹھہرائی
اتی ہے] اور وزن اسی کو دیا جاتا ہے، جس کی بنیاد کار آگہی اور علم و خبر پر ہوتی ہے۔ پڑھنے والے اگر اس
ئے پن کے بارے میں جو "معیار" کی تخلیقات میں انھیں ملتا ہے، کوئی رائے بغیر کافی واقفیت کے قائم
لیں گے تو یہ نہ صرف یہ کہ منصفانہ طرز انتقاد کے خلاف ہوگا بلکہ سرے سے وہ کوئی ڈھنگ کی بات
پنے کے قابل ہی نہ رہیں گے، اور ان کی بات میں وزن ہی نہ رہے گا۔ نہ ان کی مخالفت وزنی قرار پائے
انہ موافقت۔ افہام و تفہیم دیکھ بھال اور جانچ پرکھ کے مواقع ہی ختم ہو جائیں گے۔ کافی واقفیت کے
یر رائے کا اظہار کرنے کی عادت اور سطحی قسم کے تاثرات پر مخالفت کے کمزور بنیاد محل تعمیر کرنے کا
شوق وقتی طور سے اپنے آپ کو یا دوسروں کو مغالطوں میں ڈال دیتا ہے مگر حقیقت کھل کر ہی رہتی ہے
س لیے بہتر ہوگا کہ تعمیری ادب کی تحریک کے سلسلے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے۔

موجودہ ادب خصوصاً افسانوی ادب گھناؤنی جنس پرستی اور اخلاق دشمن مادہ پرستی میں اس درجہ ڈوبا ہوا ہے کہ الحفیظ والاماں۔ فضا ہی کچھ ایسی بن گئی ہے کہ جو بھی اٹھتا ہے اپنے آپ کو لارنس سے کم نہیں سمجھتا، اور لکھتا ہے تو "لیڈی چیٹر لیز لور" سے بھی کئی ہاتھ آگے بڑھ کر لکھنے کی آرزو میں لکھتا ہے۔ ابھی جنسی شعور پوری طرح بیدار بھی نہیں ہو پاتا کہ ریڈیو سینما، گندے فلمی رسائل اور فحش کتابیں اس کے سر پر سوار ہو جاتی ہیں، اور اس فضا سے اگر کوئی کچھ اوپر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے ذہن پر ایسے نظریات مسلط کرنے کی کوششیں بعض رجسٹرڈ قسم کے ادبی حلقوں کی طرف سے شروع ہو جاتی ہیں، جن سے تخریب کے سوا اور کوئی توقع ہی فضول ہے۔ اور پھر ذہن ان گندگیوں سے اتنے مانوس ہو گئے ہیں کہ تعفن کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مبارک ہیں وہ جن کو اس تاریک اور ناپاک ۰۰۰ اس تعفن آمیز فضا سے کچھ اونچا اٹھنے کا موقع مل جائے اور غیر صالح اور مریضانہ نظریات کی حقیقت جن پر کھل جائے اور جنھوں نے ایک بہتر پاکیزہ فضا تیار کرنے کی کوشش کی ہے ان کا تو کہنا ہی کیا۔

"ابھرتی کرنیں" حقیقت میں بہتر فضا پیدا کرنے کے سلسلے ہی کی ایک کوشش ہے۔ یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہے؟ اس کے ضمن میں اتنا پہلے ہی عرض کر دینا کچھ غیر مناسب نہیں ہوگا کہ ہر نئی چیز جب بھی سامنے آیا کرتی ہے تو کم نگاہیں ایسی ہوتی ہیں جو پہلی نظر میں اس کے تمام گوشوں کا احاطہ کر لیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی نیا مقصد، نیا رجحان ادب میں داخل ہوا ہے اس کا استقبال نکتہ چینیوں سے کیا گیا ہے۔ بالکل یہی صورت تعمیری ادب کی تحریک کے ساتھ پیش آرہی ہے اور آئے گی۔ اور پھر اس ماحول میں جہاں مزدور، کسان انقلاب، سرمایہ دار کے جذباتی نعرے ہی

Marfat.com

داد کی سب سے بڑی ضمانت ثابت ہو رہے ہیں اور کھلے طور پر عریاں نگاری عام ہے۔ مریضانہ جنس پرستی اور سستی جذباتیت پھیلی ہوئی ہے تعمیری اور اخلاقی قدروں کو سراہنے والے کتنی تعداد میں مل سکتے ہیں؟ اس بات کی توقع بھی فضول ہے کہ موجودہ تخریبی ادب کے علم بردار ہمارے کام کو ٹھنڈے پیٹوں گوارا کرلیں گے، سراہنا تو بڑی چیز ہے۔ اگرچہ تھوڑی سی یہ مشکل ضرور ہے کہ ایسے ہی لوگوں کے کھوٹے سکوں کا چلن آج کل عام ہے۔ ان لوگوں نے اپنے نام ادب کی ٹھیکے داری کے تمام حقوق رجسٹرڈ سمجھ لیے ہیں۔ مگر اب ان کے ڈھول کا پول کھل جانا چاہیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو اپنی صف سے آگے جاتا ہوا دیکھ کر ہمیشہ دامن کھینچتے آئے ہیں۔

وہ فطری اور قابلِ اصلاح گنجائشیں جو فنی کساد کے وقت تھوڑی بہت عموماً ہر جگہ نکل آیا کرتی ہیں تو ان پر کچھ کہنے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ ان پر تنقیدات کھلے دل سے گوارا کی جائیں گی، اور تعمیر پسند فن کار تراش خراش کاٹ چھانٹ، اور چھان بین سے اپنے ادب کو سنوارتے چلے جائیں گے۔

آخر میں مرتب کو ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے ترتیب میں دلچسپی لی ہے، بلکہ چند ایک چیزوں کے حذف واضافے پر تو خاصا اصرار بھی کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس اصرار کا لحاظ کیے بغیر آگے بڑھ جانا کئی وجوہ سے اچھا بھی نہیں تھا۔ اس طرح اب جو ترتیب قارئین کے سامنے آرہی ہے وہ نہ صرف یہ کہ مرتب کی قائم کردہ ہے بلکہ اس میں کئی دوستوں کی توجہ بھی کام کر رہی ہے۔ پھر اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ یہاں افسانوں کا انتخاب اس تمام ذخیرے میں سے کرنا مقصود نہیں تھا جس کی اشاعت میں دوسرے تعمیری ادب کی خدمت کرنے والے رسائل وجرائد کا حصہ بھی ہے۔ صرف معیار کے پیش کردہ افسانے اور ڈرامے ہی پیشِ نظر رہے ہیں۔

افسانوں اور ڈراموں سے پہلے یہ جو کچھ باتیں عرض کی گئی ہیں ان میں ایسے ادبی حلقوں کو بطور خاص مخاطب سمجھا گیا ہے جو نئے تعمیر پسند ادب سے واقفیت کم ہی رکھتے ہیں مگر زوال پذیر اشتراکی ادب سے اکتائے ہوئے ہیں اور ایک بہتر ادبی نقطہ نظر کی جستجو میں ہیں ___ اور چند ایک تخلیقات کی شمولیت میں بھی اسی بات کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ مثلاً "یوسف کی باتیں" جو اگرچہ بہتوں کے لیے نیا نہیں ہے لیکن جن کے لیے نیا ہے ان کے لیے دل چسپ آپ ضرور ہے اور یہ دلچسپی ہماری نظر میں خاصی اہمیت رکھتی ہے۔

(مشمولہ، "ابھرتی کرنیں")

Marfat.com

صفدر علی خاں

وہ اک ستارہ

حقیقتوں کو تلاش کرتا وہ اک ستارہ
صداقتوں کا وہ استعارہ
مری زمیں پر چمک رہا تھا
دمک رہا تھا
وہ جس کی منزل ہی جستجو تھی
جسے ہمیشہ گئے زمانوں میں دیکھ سکنے کی
آرزو تھی
رہا تھا محوِ سفر ہمیشہ
مگر اچانک، بہت اچانک
اداس کر کے ہمیں تھکیں وہ
افق کی جانب رواں ہوا ہے
فلک نے اس کو مقام بخشا
دوام بخشا
زمین تکتی ہے بے بسی سے
فلک چمکتا ہے سرخوشی ہے۔

Marfat.com

RENDERED FROM ORIGINAL
" A MAN LARGER THEN LIFE "
WRITTEN BY. A.GHANI SHAIKH.

ڈاکٹر نجم الاسلام کی یاد میں :

"حدِ زندگی سے آگے مردِ خدا"

مہمیز کرتے
کانپتے وجود کو آخری نیند کے سپرد کر کے
وہ ہمیں چھوڑ گیا
جیسے خزاں رسیدہ کوئی پتی کانپے
اور حیات شجر سے جدا ہو جائے
اس غم انگیزی میں وہ حلاوتِ شیریں
دائم ہوئی محبت کی وہ خالص کشش
جیسے کسی مربی کی الفت
گردشِ وقت سے ہوئے آزاد
اس کے زورِ قلم کی کوئی حد نہیں
اور بہت ہوں گے
جو بہت کچھ اچھا لکھیں گے
"معیارات" تیز رفتار، جو بدلتے، گم ہوتے ہیں
مگر وہ "معیار آخر" جو دائم ہے
تیری شخصیت کا پرتو ہے
"نغمہ خواں، نغمہ زن ہو تیرے لیے
میں تو صرف
خود سے کچھ کہہ رہا ہوں، تیرے لیے

حسین صمدانی

۲ مارچ ۲۰۰۱ء

☆☆☆

Marfat.com

A.Ghani Shaikh

Dr. Najm-ul-Islam

A man larger than life

Thy surrender to final sleep spurs shivering
And hath left us like a torn leaf trembling.

A midst mellow and mellifluous ways
Thy sweetness and light for ever stays

Paragon of magnificence so pure
Your samaritan excellence ever lure

Power of thy pen no age can excel
Though there are many. Who can write very wel !

Values wither and vanish very fast
Aura of your legacy is like to last

A pastmaster can sing a song for you
I only dared to mumble for you

Marfat.com

قطعۂ تاریخ .... مختار اجمیری

"رہ ریاضِ معنی پروفیسر نجم الاسلام"

۲۰۰۱ء

جامعہ سندھ سے خبر آئی
"نجم الاسلام" کا وصال ہوا

ہائے رخصت ہوئے پروفیسر
سُن کے دل کو بڑا ملال ہوا

اُن کی تعلیم کی یہ خوبی تھی
جس سے تلمیذ باکمال ہوا

"نجم الاسلام، ناظمِ قدسی"
۱۴۲۱ھ
مصرعِ تاریخِ انتقال ہوا

Marfat.com

ڈاکٹر نجم الاسلام اور پروفیسر حضور احمد سلیم (دسمبر ۱۹۸۱ء)

سندھ یونی ورسٹی کے اساتذہ۔ ڈاکٹر نجم الاسلام۔ ساما کین ساکو اور دیگر جاپانی اسکالرز

Marfat.com

اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

ڈاکٹر نجم الاسلام

سابق صدر شعبۂ اُردو، جامعۂ سندھ و مُدیر "تحقیق"

قطعۂ تاریخ وفات

نتیجۂ فکر قبلہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں مدظلہٗ

آہ دنیا سے اُٹھ گئے وہ عزیز — سب کے مونس تھے اُن کے سب مونس
اُن کا ہے مثل رسالہ تحقیق — رطب ہی رطب، کچھ نہیں یابس
نجم الاسلام فاضل اکبر — ہیں مقیم بہشت خوش مجلس
۱۴۲۱ھ — ۲۰۰۱ء

سہ شنبہ ۱۷ ذی قعدہ — ۱۳ فروری

Marfat.com

سہ ماہی "انشاء" حیدر آباد کا

سلطان جمیل نسیم نمبر تیاری کے مراحل میں ہے

اس نمبر کو یادگار بنانے کے لیے ہم آپ کی نگارشات کے منتظر ہیں

Marfat.com

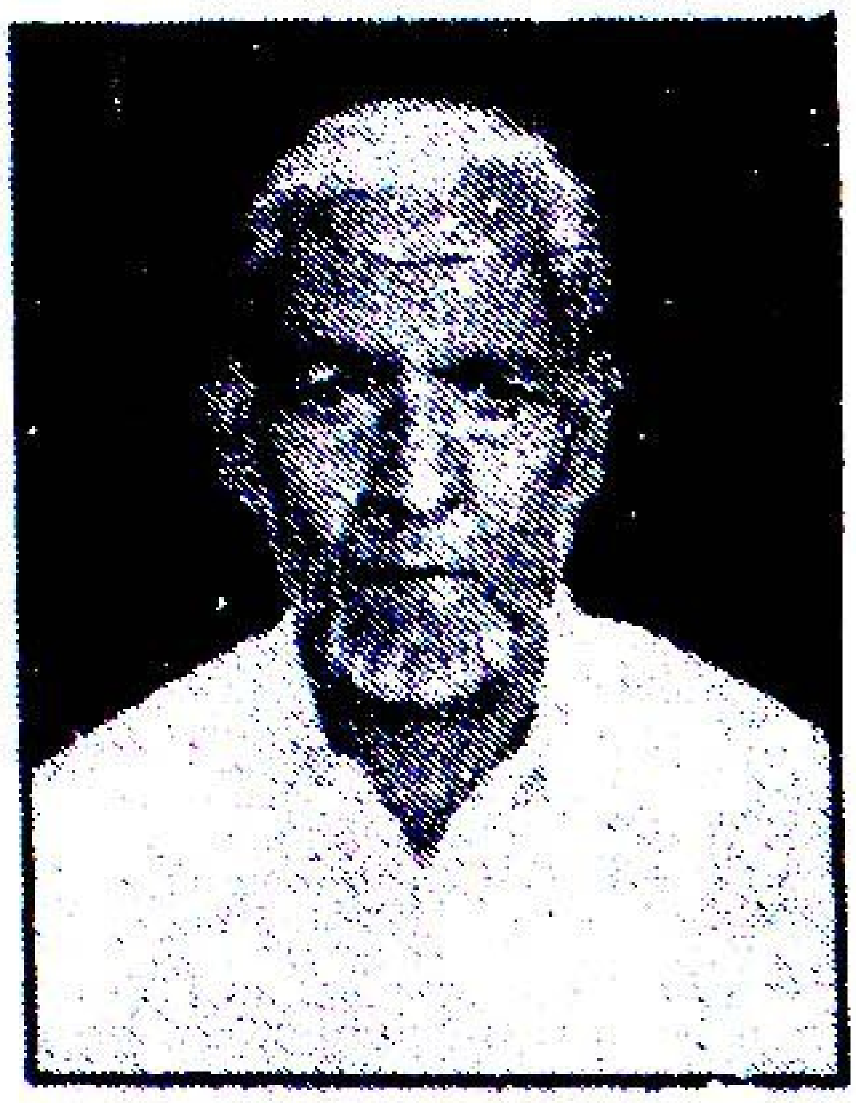

"مکتوباتِ ڈاکٹر نجم الاسلام" (حصہ اوّل)، مع حواشی

مرتب: رفیق احمد خاں

زیر ترتیب ہے

ادارۂ انشاء حیدر آباد، سندھ، پاکستان

Marfat.com

دبستانِ دہلی کی نثر

(تحقیقی مقالہ برائے ڈی فل)

۱۹۶۸ء

زیرِ نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ
صدر شعبہ اردو، سندھ یونی ورسٹی

مقالہ نگار

نجم الدین صدیقی

Marfat.com

اس مقالے میں :

(۱) دبستانِ دہلی کا تاریخی پس منظر، علمی وادبی ماحول، دہلویت اور زبان دہلوی کے آغاز و ارتقا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۲) ارباب نثر کے حالات تحقیق کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔

(۳) بعض قدیم نثری تصانیف سے پہلی بار روشناس کر لیا گیا ہے۔

(۴) متقدمین اور متوسطین کی نثر (۱۸۵۷ تک) کا تفصیلی تجزیہ، محمد تقی بہار کی "سبک شناسی" کے طرز پر پیش کیا گیا ہے۔

(۵) بعض منتخب متاخرین کی نثر کا تفصیلی تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

(۶) آخر میں اجمالاً ۱۸۵۷ء تک کے دیگر نثری نوادر کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

(۷) کتب حوالہ کی فہرست ہر باب کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔

Marfat.com

اجمالی فہرست

(۱)

تاریخی پس منظر	ص ۶ تا ۱۰
علمی و ادبی ماحول	ص ۱۱ تا ۱۴
دہلویت	ص ۱۵ تا ۱۷
زبان دہلوی کا آغاز و ارتقا	ص ۱۸ تا ۲۳
ارباب نثر	ص ۲۴ تا ۱۵۴

(۲)

متقدمین کی نثر	ص ۱۵۶ تا ۳۸۷
متوسطین کی نثر	ص ۳۸۸ تا ۵۲۵
متاخرین کی نثر	ص ۵۲۶ تا ۵۵۵

(۳)

دیگر نثری نوادر (۱۸۵۷ء تک)	ص ۵۵۶ تا آخر

(تفصیلی فہرست ابواب و عنوانات ہر جزو کے ساتھ الگ الگ درج کی گئی ہے)

Marfat.com

(۱)

ابواب

- تاریخی پس منظر
- علمی وادبی ماحول
- دہلویت
- زبان دہلوی کا آغاز وارتقا
- تذکرۂ ارباب نثر

Marfat.com

(۲)

(الف)

متقدمین کی نثر

- جعفر زٹلی : خطبہ نکاح، نسخہ چورن، جنگ نامہ
- قاضی محمد معظم سنبھلی : تفسیر ہندی
- فضل علی فضلی : کربل کتھا
- شاہ حاتم : نسخہء مفرح الضحک
- عزلت : دیباچہء دیوان
- غلام علی : گربہ نامہ
- سودا : دیباچہ سبیل ہدایت
- شاہ مراد اللہ : تفسیر مرادیہ
- رستم علی بجنوری : قصہ احوال روہیلہ
- شاہ رفیع الدین : ترجمہ قرآن مجید، تفسیر رفیعی، رسالہ نجات
- شاہ عبد القادر : موضح قرآن
- شاہ عالم ثانی : عجائب القصص

Marfat.com

(ب)

متوسطین کی نثر

- میر امن : باغ و بہار
- افسوس : آرائش محفل، باغ اردو، دیباچہ سحر البیان
- حیدری : دیباچہ مہر وماہ، دیباچہ لیلیٰ مجنوں، دیباچہ گلدستہ حیدری، توتا کہانی، حکایاتِ حیدری، گلشنِ ہند (تذکرہ حیدری)، گل مغفرت۔
- حسینی : اخلاقِ ہندی
- ولا : ہفت گلشن، مادھونل کام کندلا
- جوان : شکنتلا
- علی لطف : تذکرہ گلشنِ ہند
- امانت اللہ : جامع الاخلاق
- رنگین : دیباچہ دیوانِ ریختی، دیباچہ دیوانِ ہنتہ، اخبار رنگیں۔
- شاہ اسمٰعیل شہید : تقویت الایمان
- محمد سلطان خاں : تذکرۃ الاخوان (بقیہ تقویت الایمان)
- سید احمد شہید و مولانا عبدالحیٔ : رسالہ نماز، تفسیر سورۂ فاتحہ
- شاہ اسحاق دہلوی : ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح
- نواب قطب الدین خاں : مظاہر حق
- شاہ احمد سعید دہلوی : سعید البیان
- امام بخش صہبائی : ترجمہ حدائق البلاغت
- مولوی کریم الدین : طبقات الشعرائے ہند
- اقتباس از جام جہاں نما
- ۱۸۵۷ء سے قبل کی اخباری اردو نثر
- صاحبِ نمونہ منثورات کی بعض تصریحات

Marfat.com

(ج)

منتخب متاخرین کی نثر

- غالب : خطوط
- خواجہ امان : ترجمہ بوستانِ خیال
- سرسید احمد خاں : خطباتِ احمدیہ
- منشی فیض الدین دہلوی : بزمِ آخر
- محمد حسین آزاد : دربارِ اکبری
- نذیر احمد : توبۃ النصوح
- شاہد احمد دہلوی : گنجینۂ گوہر

Marfat.com

(۴)

دیگر نثری نوادر : ۱۸۵۷ء تک

تاریخ ہندوستان۔ حسن واختلاط۔ جذبِ عشق۔ خزینۃ الامثال۔ مصدرِ فیوض۔ ذکر شہادتین صوفی۔ طبِ نبی۔ ترجمہ قرآن مجید، حکیم شریف خاں۔ ہشت کنشت۔ تاریخ شاہانِ دہلی۔ ہزار مسائل ہندی۔ اخبار حسن۔ عین الایمان۔ ترجمہ تفسیر فتح العزیز۔ مکتوبات مشمولہ منتخباتِ ہندی۔ ضیاء الابصار۔ دہ مجلس نور الاسلام۔ تواریخِ نادر۔ صورتِ حال بریلی۔ سیاحت نامہ کریم خاں۔ تمیز الکلام۔ قیامت نامہ فیاض الحق۔ طلسم حکیم روشن ضمیر۔ ریاض السیر۔ ہشت چمن۔ سنگھاسن بتیسی کمال الدین۔ جنگ نامہ کابل۔ محاربہ کابل۔ تحفۃ المسلمین۔ کشاف الغوامض۔ تواریخ بریلی۔ تلخیص المقال۔ روداد مناظرہ۔ سراج الحجاج۔ قصہ ملکہ روم وفقیہ۔ گلدستہ اردو۔ مظاہر حق۔ ترغیب الجماعۃ۔ مجمع الخیر۔ ترجمہ کتاب قواعد ترکسواروں کا۔ مسائلِ ثمانیہ۔ جامع التفاسیر۔ ترجمہ دہ مجلس فارسی از جعفری۔ تحفۃ الملوک۔ نگارستانِ عجائب۔ رسالہ تجہیز و تکفین۔ مصطلحاتِ ٹھگی۔ دہ مجلس اردو نثر۔ دہ مجلس (دیگر)۔ رسالہ شہادت۔ تحفۃ الاحباب۔ کھیت ناپ۔ کیفیت آباد بہلول پور ولودیانہ وغیرہ۔ ترجمہ تاریخ ابو الفدا۔ دستور العمل پٹواریاں۔ ترجمہ سبعہ لیلیٰ۔ تحفۃ الجمالی۔ تحقیق الحقیقت۔ فقہ اکبر۔ فتاویٰ محمدی۔ رسالہ فقہ۔ رسالہ کلامیہ۔ وصیت نامہ پیر مرتضٰی۔ اتالیق الصبیان۔ دوازدہ مجلس خیر الدین۔ قصہ قاضی دہلی۔ تقریر الشہادتین۔ سیف المسلمین۔ تاریخ کی ایک قدیم کتاب۔ گلستان سخن۔ رسائل روڑکی۔ قرۃ العیون۔ تحفۃ الحم۔ خلاصہ تواریخ مکہ معظمہ۔ اصح الاحادیث۔ رسالہ ترجمۃ الصیام۔ ترجمہ مشکوۃ المصابیح۔ فہرست تالیفات وتراجم دہلی کالج۔ اساتذہ دہلی کالج کا علمی کام۔ طلباء قدیم کا کام۔

Marfat.com

"ڈاکٹر نجم الاسلام کا تیار کردہ ذاتی کوائف نامہ"

BIO-DATA

1. **Name:** Dr. Najmuddin Siddique (Pen Name: Najmul Islam)
2. **Father's Name:** Sahabuddin Siddique
3. **Address:** C-27, Block-C, Unit No. 6, Latifabad, Hyd.
4. **Date and Place of Birth:** 01-07-1933 Bijnor (U.P)
5. **Nationality:** Pakistani
6. **Studies:**
   (a) **Institutions attended:** Govt. H.S. Bijnor (U.P.)
   Meerut College Meerut.
   University of Sind.

   (b) **Degrees and Certificates:**
   Matric, 1947, First, Board of H.S. & Inter. Education, U.P.
   B.A., 1954, Second, Agra University, Agra
   M.A., (Urdu), 1960, Second, University of Sind.
   Ph.D (Urdu), 1969, University of Sind.
   C.C. In Sindhi 1973 and Turkish 1983, University of Sind.

7. **Present Employment:**
   (a) **Post held:** Professor of Urdu
   (b) **Organization:** University of Sind.
   (c) **Pay Scale:** B.P.S. 20 (4900-235-6780)
   (d) **Present Pay:** 6310/=

8. **Previous Service Experience:**
   (a) **Teaching:** **Oriental College, Sukkur:**
   Lecturer: 01-08-59 to 28-02-66
   Ghazali Degree College, Hyderabad.
   Lecturer: 01-03-66 to 20-11-69
   Principal: 21-11-69 to 27-01-70
   University of Sind:
   Lecturer: 28-01-70 t 31-05-70
   Assistant Professor: 01-06-70 to 03-02-81
   Associate Professor: 04-02-81 to 27-11-86
   Professor: 27-11-86 to to date

   (b) **Admin:** Principal, Ghazali Degree College, Hyderabad.
   Chairman, Dept: of Urdu, University of Sind. 16-10-77 to 26-03-80 and 24-01-81 to 10-06-84 & 12-12-85 to date.

   (c) **Other:** Editor, The Maiyar Monthly, Meerut, Sept: 1951 to April 1956. during this period brought out two special Nos. Including "تنقید نمبر" in 1954, wrote a number of editorials and articles, and published two literary books.

Marfat.com

9. **Research Exprience:**

(a) Thesis in lieu of 4 papers of M.A. Final Urdu, "احیائی تحریکات اور اردو" pp. 240.

(b) Ph.D Thesis on دبستان دہلی کی نثر pp. 650

(c) Descriptive Catalogue of the Oriental MSS in the collection of the sindhi Adabi Board. P.I. pp.653, on the pattern of Rieu & Ethe. It took three years' hard labour to peruse about 50 thousand folios and to pen down the descriptions of the MSS in 653 pages.

10. **Research Articles:**

A number of articles published during the past 20 years, including the following:

(a) Nuqoosh, Lahore:

(1)	تین نثری نوادر	1966	شمارہ نمبر ۱۰۵
(2)	دو آہنگ	1966	شمارہ نمبر ۱۰۵
(3)	بیاض مرزا جان طپش	1967	شمارہ نمبر ۱۰۸
(4)	غالب کی لسانی تصریحات	1969	شمارہ نمبر ۱۱۱
(5)	فضلی کی کربل کتھا	1973	شمارہ نمبر ۱۱۸
(6)	رسالہ معارف اور اقبال	1977	شمارہ نمبر ۱۲۱
(7)	رسالہ معارف اور اقبال (۲)	1977	شمارہ نمبر ۱۲۳
(8)	اقبال کا ایک مکتوب اور اس کا ماخذ (زیر طبع)		

(b) Sahifa, Lahore:

(9)	گربہ نامہ	1968	شمارہ نمبر ۴۳
(10)	منتخبات نثر غالب	1969	شمارہ نمبر ۴۶
(11)	گربہ نامے کا مصنف	1971	شمارہ نمبر ۵۵

(c) Oriental College Magazine, Lahore:

(12)	غرۃ الکمال کے دو قلمی نسخے (مجلۂ تحقیق)	1981	جلد ۴ شمارہ ۱
(13)	یا صاحب الجمال (نعتیہ قطعے کے ناظم کی تحقیق)	1982	

(d) Sind University Departmental Journal:

(14)	اردو ادب پر بزرگان دین کے اثرات	1961	شمارہ ۱
(15)	دکنی اردو میں مدحیہ شاعری	1969	قصیدہ نمبر
(16)	بھوپال کے قصیدہ گو شعراء	1969	قصیدہ نمبر
(17)	اردو نعت کے مطالعے	1978	نعت نمبر
(18)	اقبال مستشرقین کی نظر میں	1977	اقبال نمبر
(19)	اقبالیات اور سندھ یونیورسٹی	1977	خصوصی نمبر

(e) Journal of the Institute of Sindhology (in Sindi):

(20)	قومي تشخص ۽ قائداعظم	1976	قائداعظم نمبر
(21)	معارف ۽ اقبال	1977	اقبال نمبر

Marfat.com

(f) Peshawar University Journal "Khayaban"

(22) مذہب اور ادب 1983

(g) Local Literary Magazines:

(23) نواب شمس الدین خاں اور ولیم فریزر 1979

(24) اردو شاعری میں ایک آزاد اسلامی ریاست کا تصور 1961

(25) اردو ادب پر اسلامی تحریکات کے اثرات 1963

(26) قومی ذخیرہ: خلافتی نظموں کا ایک نادر مجموعہ 1981

(27) ہمارا ورثہ تحقیق 1983

(28) اردو زبان اور روز مرہ 1983

(29) پاکستانی ادب کے تقاضے 1983

(30) آرزی اور اقبال 1977

(31) ادب میں اسلامی اقدار 1984

(Accepted for Publication)

(32) دیوان شائق (نقوش، لاہور، زیر طبع)

11 Conference Papers:

(33) قدیم اردو کے چند نوادر (نقوش، لاہور، زیر طبع)

(34) فورٹ ولیم کالج (نقوش، لاہور، زیر طبع)

(35) اقبال ایک شاعر: ایک مطالعہ کتابی سلسلہ رسالہ حیدر آباد 1985

Read paper in (a) The All India Literary Symposium, Muslim "University, aligharth in 1954. "ادب اور تنقید کا تعمیری نظریہ"
Published from Aligharh in 1954.

(b) The International Seminar on "Sind Through Centuries" Held in 1975 at Karchi. "سورت بہار کی راگ مالا"
Published from Hyderabad in 1978.

(c) The 5th All Pakistan Writers Annual Conference, Islamabad held in June 1985. Read papers

12 Papers read in the Departmental & Local Seminars: "پاکستانی ادب کا ماضی، حال اور مستقبل"

(a) Inter Departmental Seminar on Linguistics, University of Sind, 1980. "اردو لسانیات کا سرمایہ"
(b) Departmental Seminar, Department of Urdu, University of Sind, 1983. "شیرانی اور قصہ چہار درویش"
(c) Local Seminar on Zafar Ali Khan, 1982. "ظفر علی خاں کی وضع کردہ علمی اصطلاحات"
(d) Iqbal Colloquium, Karachi, 1981. "اقبال اور خوشحال"
(e) Seminar on Iqbal, Hyderabad 1977. "اقبال: سفر یورپ ۱۹۰۵ء سے قبل کی قومی سرگرمیاں"

13 Books Published:

(a) ادبی کرنیں 1953 (b) عالمی امن 1954 (c) نقش نو 1956

Marfat.com

14. Translations (Rendered during the service in the University of Sind):

(a) "محسنِ انسانیت" A versified Urdu Translation of Lady Elsa Kazi's English Poem "The Prophet of Islam Published by the University of Sind in 1971

(b) "فکرِ لطیف" Urdu Translation of Mr. A. K. Brohi's Presidential Address at the Shah Abdul Latif session of Pakistan Philosophical Congress held in Islamabad in 1979. Published by the Insititute of Sindhology, University of Sind.

(c) A versified Urdu version of " کلیاتِ سندھی " of Khawaja Muhammad Zaman of Lawari (d. A.H. 1188), a Naqshabandi Saint of Sind and a renowned Sindhi Poet. Published by Pir Saeed Hasan from Karachi in 1981.

(d) A versified translation "کلیاتِ شاہ کریم" of Shah Abdul Karim of Bulri, Published by the Institute of Sindhology, Jamshoro

15. Recognition of Research Work:
referred to by several scholars of repute in their works, e.g.

(1) Research Journal of the Khuda Pakhsh Oriental Library, Patna No. 1. Dr. A. R. Bedar on "Mirza Jan Tapish".

(2) Research Journal of the U.P. Academy Lucknow, entitled اکادمی Vol. 2, Issue 1, Professor Ubeda Begum on Bahar-e-Danish.

(3) Literary History of the Muslims of Sub-Continent, University of The Punjab, Lahore, Dr. Iftikhar Ahmed Siddiqui on Mirza Jan Tapish.

(4) Tarikh-e-Adab-e-Urdu, Vol. 2, Majlis Taraqqi-e-Adab, Lahore, Dr. Jamil Jalibi, pp.447, 1004, 1022, 1027, 1028, 1068, 1074.

16. Research Guidance:

(a) Five scholars have successfully submitted their theses for Ph.D and M.Phil, under my supervision.

(b) Presently eight scholars are working under my supervision for M.Phil. and Ph.D. Degree.

17. Post - doctoral Research work in hand: تدوین کلیات مرزا جان طپش

18. Books ready for publication:

(1) احیائی تحریکات اور اردو

(2) داستانِ دہلی کی نثر

(3) روضۃ الانوار

19. Member, "National Iqbal Award Committee", appointedly the Ministry of Education Federal Govt of Pakistan, Islamabad, from the beginning.

20. Editor, Department Research Journal "TAHQIQ", Department of Urdu, University of Sind, Jamshoro, Vol.1, 1987, Vol. 2, 1988 (Vol 3. 1989 under print).

12.7.1989

Marfat.com

اکادمی ادبیاتِ پاکستان

PAKISTAN ACADEMY OF LETTERS

(Established by the Ministry of Education, Government of Pakistan)

H-8/1, ISLAMABAD
Telegraphic Address "ACADEMY"

Telephone No
254643
254567
281823
281824

Ref No

Dated . . . .

پاکستان اکیڈمی آف لیٹرز ایچ ایٹ ون اسلام آباد

فارم

گروپ انشورنس

اکادمی ادبیات پاکستان ادیبوں اور شاعروں کو گروپ انشورنس کا پیکیج پیش کر رہی ہے جس کا پریمیم اکادمی ادا کرے گی۔ اس پیکیج میں شامل ہونے کے لیے عمر کی حد مقرر نہیں ہے۔ آپ کی سہولت کے لیے فارم ارسال کیا جا رہا ہے۔ براہ کرم اسے جلد از جلد پر کر کے زیر دستخطی کو روانہ کر دیجیے گا۔

۱۔ نام / تخلص ڈاکٹر نجم الاسلام

۲۔ ولدیت شہاب الدین صدیقی (مرحوم)

۳۔ تاریخ پیدائش و مقام پیدائش یکم جولائی ۱۹۳۲ء، بجنور (شہر)، یوپی، انڈیا

۴۔ صنف ادب / زبان تحقیق و تنقید، منظوم و منثور تراجم ۔ بزبان اردو

۵۔ مصروفیات ۱۹۹۳ء تک پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو؛ موجودہ مصروفیت: وزیٹنگ پروفیسر اور مدیر "تحقیق" (سندھ یونیورسٹی، شعبۂ اردو)

۶۔ مطبوعہ کتب کے نام ۔ عالمی امن، اکبری کرین، دین و ادب، مطالعات، ابیات شاہ کریم، ابیات خواجہ محمد زمان، دو آہنگ وغیرہ

۷۔ شناختی کارڈ کی مصدقہ نقل (لازماً ارسال فرمائیے) منسلک ہے۔

ادارت • ماہنامہ معیار میرٹھ (۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۶ء) • رسالۂ تحقیق، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی (۱۹۸۷ء تا حال)

۸۔ پتہ مستقل / عارضی سی ۲۷، بلاک سی، یونٹ نمبر ۶، لطیف آباد، حیدرآباد، سندھ (۷۱۸۰۰)

۹۔ فون نمبر : حیدرآباد: ۸۶۳۱۰۲

موصول شدہ کوائف اہل قلم ڈائرکٹری کے نئے ایڈیشن میں بھی شامل کیے جائیں گے۔ اگر آپ گروپ انشورنس میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں تب بھی اپنے کوائف ڈائرکٹری کے لیے ارسال فرما دیجیے البتہ ایسی صورت میں واضح کر دیجیے گا۔ گروپ انشورنس میں دلچسپی نہیں ۔ نجم الاسلام

1.11.1998

نکہت سلیم
ڈپٹی ڈائرکٹر
تحقیق و تراجم
ٹیلیفون نمبر ۹۲۶۹۰۵

1-11-98

محترمہ! سلام و آداب

رسالہ پر و فارما پُر کر کے پیش کیا جاتا ہے!

اور رسالۂ تحقیق کا "تعارف نامہ" بھی ملفوف کیا جاتا ہے

اکادمی کی لائبریری کے لیے ۔ میرا خیال ہے کہ لائبریری میں

اس کے کچھ خریدکردہ سابقہ شمارے ہوں گے ۔

تازہ شمارہ بھی حاصل کیے جانے کے لائق ہے ۔ نجم الاسلام

Marfat.com

قطعۂ تاریخ بحالی

محبِ مکرم فاضلِ گرامی ڈاکٹر خورشید مصطفےٰ خاں

(۱)

جب معطّل ہوئے ڈاکٹر خورشید — یوں لگا پھول چمن سے نکلا
یا توانائی بدن سے نکلی — یا دل اِس محبسِ تن سے نکلا
جیسے مہجور وطن سے نکلے — جیسے آدم کہ عدن سے نکلا
جیسے سورج کہ گہن میں آیا — جیسے انصاف وطن سے نکلا
علم و حکمت کا جنازہ گویا — مرکزِ حکمت و فن سے نکلا

(۲)

عرضِ غم کو نہ شکایت سمجھو — دل کو غم تھا جو دہن سے نکلا
عدل کی دل سے دعا کیا نکلی — عدل مربوط زمن سے نکلا
الغیاث اے مرے مولائے کریم — پھر فریاد ذہن سے نکلا
رحم اے رحمتِ کُلّ عالم — دل سے بیساختہ پن سے نکلا

(۳)

پھر بفضل و کرم و رحمِ رحیم — نورِ حق ظلمتِ ظن سے نکلا
چاہِ کنعاں میں رہ کر کچھ دن — یوسفِ وقت محن سے نکلا
خبرِ حکم بحالی سے کر — مژدہ ہاتف کے دہن سے نکلا
نکلی سنتے ہی "دولب" سنِ تاریخ — "آج خورشید گہن سے نکلا"

+۴۲ ۱۳۷۱ = ۱۴۱۳ھ

(۴)

طبعِ مُردہ کو ملا آبِ حیات — ایک دکھ تھا کہ جو من سے نکلا
اک خلش تھی کہ ہوئی ذہن سے دور — ایک کانٹا سا بدن سے نکلا
شکر اے صاحبِ یاروں و [illegible] — ایک شاگرد کے ذہن سے نکلا
ساری [illegible] کو مبارک یہ خبر — ایک استاد محن سے نکلا

اس [illegible] کا یہ حاصل جانو
اپنے [illegible] کو دل سے مانو

[illegible] — سوز دل راہ سخن سے نکلا
[illegible] — [illegible] سے نکلا
[illegible] — [illegible] سے نکلا

Marfat.com

ڈاکٹر فدا حسین انصاری

مادہ تاریخ وفات ڈاکٹر پروفیسر نجم الاسلام صاحب سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونی ورسٹی جام شورو

"محقق ڈاکٹر نجم الاسلام مدیر تحقیق"

۲۰۰۱ء

عالم کے ارتحال پہ مغموم ہے عالم
تعلیم و تعلم کا ہوا سرنگوں پرچم
ہے ایسی شامِ غم کہ نہیں جس کی اب مثال
ہر اک کرن ہے مہر کی آمادۂ ستم
تحقیق کی دنیا کا وہی مہر منور
تنقید کی دنیا میں تیرا شہرہ مسلم
متلاشی و جو یا جو رہا حق کے جہاں کا
حرمت قلم کی تیرے لیے سب سے مقدم
اس کی زباں تھی کوثر و تسنیم میں دھلی
اردو ادب کو دیکھ لیا ہم نے مجسم
اپنے اساتذہ کے لیے نیک نام تھا
اپنے تلامذہ کو تھا مخدوم و محترم
کیا زندگی بھی روٹھ گئی ہم سے آج پھر
کیا موت نے کیا ہے پھر ہم پہ نیا ستم
علم و ادب کی سلطنت ویران پڑی ہے
ہاتھوں میں تھا تحقیق کی تقدیس کا پرچم
سایہ ہوا ہے آج مرخص شجر کے ساتھ
اب کون ہے جو سایہ کرے ہم کو فراہم
غلمان و حوریں کہتی ہیں کہ آیئے کریں
گل پاشیاں لحد پہ سر وادیٔ ارم
دیتے تھے آفتاب کو جو روشنی فدا
پوشیدہ ہوگئے وہ کہاں نجم ذی حشم

Marfat.com